"ادارۂ علمیہ" لکھنؤ کی قابل قدر کتابیں

مصنفات سرکار سید العلماء مدظلہ

۱۔ کشف النقاب عن عقائد ابن عبد الوہاب (عربی) قیمت علاوہ محصول ۸ر
۲۔ اقالۃ العاثر فی اقامۃ الشعائر (عربی) قیمت ۵ر
۳۔ نقد الفوائد فی اصول العقائد (عربی) ۳ر
۴۔ گنج دینیات (عربی و اردو) عہ
۵۔ مقدمۃ التفسیر (عربی) عہ

یہ کتاب لکھنؤ یونیورسٹی کے نصاب فاضل تفسیر میں داخل ہے۔

۶۔ تفسیر سورۃ الفاتحۃ (عربی) عہ
۷۔ تفسیر سورۃ البقرۃ رکوع اول (عربی) عہ
۸۔ النجعۃ فی اثبات الرجعۃ (عربی) ۲ر
۹۔ روح الادب شرح لامیۃ العرب (عربی و اردو) ۸ر
۱۰۔ تلخیص عماد الاسلام کتاب التوحید (عربی) عہ
۱۱۔ المنتخب العربی من الادب العصری (عربی) عہ

لکھنؤ یونیورسٹی کے فاضل ادب اور بی۔ اے کے نصاب میں داخل ہے۔

۱۲۔ مجلۃ الرضوان (عربی) سال اول ے
۱۳۔ " الرضوان " سال دوم ے
۱۴۔ " الرضوان " سال سوم ے
۱۵۔ " الرضوان بعض اعداد سال چہارم و پنجم عہ
۱۶۔ مقدمۂ تفسیر قرآن (اردو) عہ
۱۷۔ ذاکری کی پہلی کتاب حصۂ دوم ۵ر
۱۸۔ وجیزۃ الاحکام (علمیہ) ۴ر
۱۹۔ شادی خانہ آبادی (متعلق اصلاح رسوم) ۲ر

مطبوعات امامیہ مشن

۲۰۔ قاتلان حسین کا مذہب ۶ر
۲۱۔ وجود حجت ۶ر
۲۲۔ اصول دین اور قرآن ۶ر
۲۳۔ متعہ اور اسلام ۱۲ر
۲۴۔ امامت ائمۂ اثنا عشر اور قرآن ۱ر
۲۵۔ مذہب باب وبہا (حصۂ اول) زیر طبع
۲۶۔ مذہب باب وبہا (حصۂ دوم) ۱۲ر
۲۷۔ نوروز اور غدیر ۲ر
۲۸۔ تذکرۂ حفاظ شیعہ (حصۂ اول) ۹ر
۲۹۔ تذکرۂ حفاظ شیعہ (حصۂ دوم) ۷ر
۳۰۔ مقصود کعبہ ۲ر
۳۱۔ اسلام کی حکیمانہ زندگی ۱۲ر
۳۲۔ خطیب آل محمدؐ ۶ر
۳۳۔ تدوین حدیث ۲ر
۳۴۔ محاربہ کربلا ۳ر
۳۵۔ اسلام کا پیغام پست اقوام کے نام ۱ر
۳۶۔ دی میسج آف اسلام (انگریزی) ۱ر
۳۷۔ خلافت و امامت (حصۂ اول) ۸ر
۳۸۔ خلافت و امامت (حصۂ دوم) ۱۴ر
۳۹۔ خلافت و امامت (حصۂ سوم) ۱۴ر
۴۰۔ خلافت و امامت (حصۂ چہارم) ۴ر
۴۱۔ خلافت و امامت (حصۂ پنجم) ۸ر
۴۲۔ خلافت و امامت (حصۂ ششم) ۱۱ر
۴۳۔ ذوالجناح ۱ر
۴۴۔ شہدائے کربلا (حصۂ اول) ۶ر
۴۵۔ شہدائے کربلا (حصۂ دوم) ۷ر
۴۶۔ شہدائے کربلا (حصۂ سوم) ۹ر
۴۷۔ نہج البلاغہ کا استناد ۶ر
۴۸۔ لاتفسدوا فی الارض ۱۱ر
۴۹۔ تحقیق اذان ۲ر
۵۰۔ ابوالائمہ کے تعلیمات ۶ر
۵۱۔ اسلامی عقائد ۳ر
۵۲۔ صحیفۂ سجادیہ کی عظمت ۲ر
۵۳۔ خدا کی معرفت ۱۱ر
۵۴۔ ہمارے رسوم و قیود ۳ر
۵۵۔ صحیفۂ اعمال (مترجم) عہ
۵۶۔ مذہب شیعہ اور تبلیغ ۲ر
۵۷۔ اسیری اہل حرم ۳ر
۵۸۔ نظام زندگی (حصۂ اول) ۶ر
۵۹۔ نظام زندگی (حصۂ دوم) ۷ر
۶۰۔ نظام زندگی (حصۂ سوم) ۹ر
۶۱۔ نظام زندگی (حصۂ چہارم) ۹ر
۶۲۔ حیات قومی ۲ر
۶۳۔ جبر و اختیار ۲ر
۶۴۔ مذہب اور عقل ۱۲ر
۶۵۔ حسین کا پیغام عالم انسانیت کے نام (گجراتی ترجمہ) ۳ر
۶۶۔ " (ہندی ترجمہ) ۲ر
۶۷۔ " (سندھی ترجمہ) ۲ر
۶۸۔ " (بنگالی ترجمہ) ۳ر
۶۹۔ صلح اور جنگ ۴ر
۷۰۔ مسائل و دلائل لـ

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارۂ علمیہ عبد العزیز روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین "پیام اسلام" محرم نمبر ۱۳۶۷ھ

شہید کربلا کی زندگی کا کامل مرقع

از کلام الٰہی (عزّ اسمہٗ و جلّ شانہٗ)

[مرتبہ ادارہ پیام اسلام]

خاندان

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطہرکم تطہیرا

"اللہ کا ارادہ بس یہی ہے کہ تم سے اے (پیغمبر کے) اہل بیت ہر قسم کی برائی کو دور رکھے اور تمہیں کمل طہارت کا نمونہ قرار دے۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۳)

ولادت

حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا

"اس کی ماں کو اس کے زمانۂ حمل میں بھی صدمہ وملال رہا اور اس کی پیدائش کے وقت بھی رنج رہا اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مجموعی مدت تیس مہینے تھی" (احقاف ۱۵)

نصب العین

انّ صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین

"یقیناً میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے" (انعام ۱۶۳)

مدینہ سے سفر

فخرج منھا خائفا یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین

"وہ نکلے وہاں سے خوف کے عالم میں آیندہ کے ارادوں کو لیے ہوئے اور انھوں نے کہا پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے" (قصص ۲)

قلت اور کثرت کا مقابلہ

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین

"بہیری کم تعداد جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہیں اور اللہ صبر کرنیوالوں کا ساتھی ہے" (البقرہ ۲۴۹)

وفادار جماعت اور اس میں ایک کی دوسرے سے رخصت

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

"ایمان والوں میں کچھ ایسے افراد ہیں جنھوں نے اللہ سے (جاں نثاری کا) جو عہد کیا تھا اُسے پورا کر دکھایا ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے مرکر اپنا وقت پورا کر گئے اور کچھ بعد میں (وقت کے) منتظر ہے اور اس پوری جماعت میں سے کسی نے بھی ذرہ بھر اپنی بات نہیں بدلی۔ (احزاب ۲۳)

آخری وقت کے وصایا

وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر

"اور آپس میں حق کا حکم، اور صبر کی وصیت کرتے رہے"۔ (عصر ۳)

نشان صبر

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون

"مبارکباد دو ایسے صبر کرنیوالوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ کہہ اٹھیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں" (البقرہ ۱۵۶)

انجام آخر

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

"اے اطمینان سے معمور نفس پلٹ آ اپنے پروردگار کی طرف تو اس سے خوش وہ تجھ سے راضی، تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا" (فجر ۲۷-۳۰)

بقائے جاودانی

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

"جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے یہاں سے رزق پاتے ہیں"۔ (آل عمران ۱۶۹)

شہادت حسینؑ کا بیان انبیائے ماسلف کی زبان سے

قدیم آسمانی کتابوں کے اقتباسات

مرتبۂ ادارۂ پیامِ اسلام

(۱) **شہادت اور اُس کا محل وقوع** ۔ یرمیاہ باب ۴۶ فقرہ ۱۰ "خداوند رب الافواج کے لیے شمالی سرزمین میں دریائے فرات کے کنارے ایک ذبیحہ ہے"۔ (کتاب مقدس یعنی پرانا عہدنامہ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۱ء شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی ص۷۴۲)

(۲) **روزِ شہادت** ۔ توریت گنتی باب ۲۹ فقرہ ۷ ۔ " ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تمہارا مقدس مجمع (مجلس) ہو تم اپنی اپنی جانوں کو دکھ دینا اور کسی طرح کا کام نہ کرنا"۔ (پرانا عہدنامہ ص۱۵۴)

احبار باب ۱۶ فقرہ ۲۹ "اور یہ تمہارے لیے ایک دائمی قانون ہو گا کہ ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو تم اپنی اپنی جان کو دکھ دینا اور اس دن کوئی خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جو تمہارے بیچ بودوباش رکھتا ہو کسی طرح کا کوئی کام نہ کرے"۔ (ص۱۰۱)

ایضاً احبار باب ۲۳ فقرہ ۲۶ — ۲۷ "اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اسی ساتویں مہینہ کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے۔ اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا"۔ (۲۸) تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا۔ (۲۹) جو شخص اس دن اپنی جان کو دکھ نہ دے وہ اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا (۳۰) اور جو شخص اس دن کسی طرح کا کام کرے اُسے میں اُسکے لوگوں میں سے فنا کر دوں گا (۳۱) تم کسی طرح کا کام مت کرنا (صفحہ ۱۱۵)

(نوٹ تاریخ عبر مطبوعہ مصر سے واضح ہے کہ یکم محرم ۶۱ھ مطابق یکم تشرین ۶۸۰ء تھی۔ تشرین یہودی تقویم کا ساتواں مہینہ ہے اسی بنا پر یہودی یوم عاشور روزے رکھتے تھے جو صحیح بخاری سے ثابت ہے اور موطا امام مالک سے۔

(۳) **بے دفن لاشے** مکاشفہ یوحنا باب ۱۱ فقرہ ۹ و ۱۰۔ "لوگ اُن کی لاشوں کو ساڑھے تین دن تک دیکھتے رہینگے اور اُن کی لاشوں کو قبر میں نہ رکھنے دینگے اور زمین کے رہنے والے اُن کے مرنے سے خوشی منائیں گے اور شادیانے بجائیں گے اور آپس میں تحفے بھیجیں گے"۔
(نیا عہدنامہ صفحہ ۲۶۸) شائع کردہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۳۱ء

شہادت امام کی خبریں

از کلام حضرت رسالت پناہی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مرتبۂ عمدۃ الواصلین مولانا عینی شاہ نظامی (حیدر آباد دکن)

حضرت ختمی مرتبتؐ نے اس مجہ نے والی شہادت امام سے ۵۵ برس پہلے ہی امت کو اس واقعہ فاجعہ سے باخبر کر دیا۔ مشہد امام کی سرخ خاک بھی جو جبرئیل نے لادی تھی اپنی بی بیوں۔ اہلبیت اور اصحاب کو دکھائی اور اپنی بی بی حضرت ام سلمہ کو تاکید فرمائی کہ اس کو کسی شیشہ میں محفوظ

رکھیں اور فرمایا جس روز یہ مشت خاک تر خون ہو جائے گی سمجھ جانا کہ میرا حسینؓ قتل ہو گیا۔ پھر رونے لگے اور جب بھی اس ہونے والے واقعہ کا ذکر فرماتے آنسو جاری ہو جاتے تھے (اس میں یہ راز بھی تھا کہ حضرت ام سلمہ بھی شہادت حسینؓ کے وقت زندہ ہوں گی)

یہ واقعہ فاجعہ ہے بھی اتنا اہم اور خونیں کہ متعدد مرتبہ زبان وحی ترجمان نے اس کا ذکر فرمایا اور اس آنے والے یوم عظیم کی بار بار اطلاع دی۔ خود گریہ فرمایا اور سامعین کو بھی رُلایا۔ جو جیسے ہیجان کی نظر سے کوئی پیمائش سے اونچی روایتیں اس شہادت عظمیٰ کی پیشگوئی کی گزریں نہ معلوم اور کتنی رہ گئی ہوں گی۔ ہمارے ممتاز محدثین سے کوئی ۲۵ نفوس نے اپنی اپنی تصانیف میں اس کی مرفوع روایتیں کیں جن کی اسناد میں تابعین اور صحابہ کی ایک جماعت نظر آ رہی ہے۔ آنحضرت روحی فداہ نے ہی نہیں بلکہ بارگاہ رسالت کے آنے جانے والے ملائک نے بھی اس واقعہ کی پیشگوئی سنائی بلکہ بعض روایات میں سال اور یوم و تاریخ کا بھی تعین موجود ہے۔

اس حادثۂ روح فرسا کی خبریں محدث ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے طبقات میں، حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ استاد بخاری و مسلم متوفی ۲۳۵ھ نے مصنف میں۔ امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی مشہور کتاب مصنف میں یہ بھی بخاری و مسلم بلکہ احمد بن حنبل کے بھی استاد ہیں۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ استاد بخاری و مسلم نے مسند میں۔ علامہ اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے مسند میں۔ ابو یعلیٰ موصلی متوفی ۳۰۷ھ نے مسند میں۔ ضیاء مقدسی نے مختارات میں۔ ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے صحیح میں۔ محدث ابن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ نے صحیح میں۔ عبد بن حمید متوفی ۲۴۹ھ نے مسند میں۔ طبرانی ۳۶۰ھ نے معاجم میں۔ ابو نعیم نے حلیہ میں۔ بغوی نے شرح السنۃ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے۔ حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے مستدرک میں۔ طیالسی متوفی ۲۰۳ھ نے اپنی مسند میں۔ ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ نے سنن میں اور بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے سنن میں ام الفضل زوجۂ حضرت عباسؓ سے۔ طبرانی، ابن سعد اور خلیلی نے حضرت عائشہ سے۔ ابن سعد، بلاذری اور زرندی نے حضرت ام سلمہ سے۔ ابو یعلیٰ، عقیلی اور طبرانی نے ام المومنین زینبؓ بنت جحش سے۔ محدث حسن بن سفیان نے مسند میں۔ ابو حاتم نے تاریخ میں۔ ابن حبان نے صحیح میں۔ احمد ابن حنبل نے مسند میں ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور بیہقی نے سنن میں حضرت انس ابن مالک سے۔ محدث بغوی نے شرح السنۃ میں۔ ابن السکن نے باوردی نے اور ابن منده و ابن عساکر نے اپنی کتابوں میں حضرت انس بن حارث سے۔ احمد بن حنبل۔ عبدالرزاق اور ابن سعد و طبرانی نے ابو امامۃ الباہلی سے۔ عبدالرزاق اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر سے، ابن ماجہ نے حضرت ام سلمہ سے اور دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت معاذ ابن جبل سے کی ہیں۔

.....

وحی ترجمان کی پیشگوئیاں

(۱) حضرت علیؓ فرماتے ہیں ایک دن حاضر بارگاہ رسالت ہوا دیکھا کہ چشمی مرتبت گریہ فرما رہے ہیں۔ عرض کیا بابی انت وامی کیا رنج پہونچا ہے۔ ؟ فرمایا جبرئیل ابھی آئے تھے اور بیان کر رہے تھے کہ میرا حسینؓ نہر فرات پر قتل ہوگا۔ اور مجھے وہاں کی خاک بھی لا دی جس کو میں سونگھ رہا ہوں اور رو رہا ہوں۔

(ابن سعد، ابن ابی شیبہ۔ احمد ابن حنبل۔ ابو یعلیٰ۔ طبرانی، ضیاء مقدسی)

(۲) جلیل القدر شعبی تابعی راوی ہیں کہ بارگاہ امیرالمومنین میں حاضر تھا۔ ارشاد فرمایا اے شعبی ایک دن میں حضور سرور کائنات میں حاضر تھا آپ رو رہے تھے میں نے عرض کیا بات کیا ہے۔ فرمایا جبرئیل ابھی ابھی کہہ رہے تھے کہ میرا حسینؓ نہر فرات پر کربلا نامی موضع میں قتل کیا جائے گا پھر مجھے وہاں کی خاک بھی لا دی جس کو دیکھ دیکھ کر اے ابوالحسن رو رہا ہوں۔ (ابن سعد در طبقات از شعبی)

(۳) ام المومنین ام سلمہؓ راوی ہیں کہ حسنینؓ سرکار عرشی منزلت کے مواجہہ میں کھیل رہے تھے اتنے میں جبرئیل آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ کی امت آپ کے بعد اس فرزند کو قتل کر دے گی اور اشارہ سوئے حسینؓ کیا حضور اشکبار ہو گئے اور حسینؓ کو چھاتی سے لگا لیا۔ پھر جبرئیل نے آپ کے ہاتھ میں ایک مشت خاک دی۔ آنحضرت اس کو سونگھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے اس سے کرب و بلا کی بو آتی ہے اور مجھے پکار کر فرمایا۔ اے ام سلمہ جس دن یہ خاک خون تازہ ہو گی سمجھ جانا کہ حسینؓ قتل ہو گیا۔ میں نے اس خاک کو ایک شیشہ میں محفوظ کر رکھا۔ روز اس خاک کو دیکھا کرتی ہوں اور کہتی ہوں اے مشت خاک تو ایک دن تازہ خون بننے والی ہو گی۔

(عبداللہ بن احمد بن حنبل در زوائد مسند)

(۴) ام المومنین عائشہ راوی ہیں کہ آنحضرت نے بارہا با چشم تر مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ میرا فرزند حسینؓ میرے بعد سرزمین طف میں مارا جائے گا اور یہ خاک اسی کے مشہد کی ہے۔ اور اسکی خدا نے بذریعہ وحی مجھکو خبر دی ہے۔ (طبرانی و ابن سعد)

(۵) ام المومنین ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حسینؓ اپنے نانا کے پاس آئے آں حضرت آپ کو دیکھ کر گریہ فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا باعث گریہ کیا ہے فرمایا جبرئیل نے خبر دی کہ میرے بعد میرا حسینؓ قتل کیا جائے گا اور خدائے تعالیٰ اس کے قاتلوں پر سخت سے سخت عذاب نازل فرمائے گا۔

(رواہ الذہبی فی التذہیب والملا فی السیر)

(۶) حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں ایک دن حسینؓ میرے حجرہ پر آئے میں دروازہ پر تھی کچھ کام سے باہر گئی واپسی پر دیکھا سرکار عرش جاہ بیٹھے ہیں اور کسی شئی کو سونگھ رہے ہیں اور حسینؓ سینۂ مطہر

پر سو رہے ہیں عرض کیا میں نے داری کیا بات ہے۔ فرمایا جبرئیل نے مشہد حسینؑ کی یہ خاک دی اور کہہ گئے کہ امت حسین کو ناحق قتل کر دے گی

(ابن ابی شیبہ)

(۷) حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت میرے حجرہ میں آرام فرما تھے اتنے میں حسینؑ لڑکھڑاتے ہوئے آ گئے میں نے انھیں اٹھایا اور پیار کر کے گود میں بٹھالیا تاکہ کہیں اندر جا کر نانا کو بیدار نہ کر دیں۔ میں نے حسینؑ کو کھیل میں لگالیا اور اپنے کاروبار میں لگ گئی۔ جب فارغ ہوئی تو دیکھا کہ حسینؑ کو آنحضرت اپنے سینہ سے لگائے رو رہے ہیں میں نے عرض کیا گریہ کی وجہ کیا ہے فرمایا جبرئیل ابھی آئے تھے اور حسینؑ کو میرے سینہ پہ لیٹے دیکھکر پوچھا اس بچہ کو آپ بہت پیار فرماتے ہیں حالانکہ آپ کی امت آپ کے بعد اس کو قتل کر دے گی۔ کیا میں خاک مشہد حسینؑ لا دوں میں نے کہا لاؤ جبرئیل نے ہاتھ بڑھایا اور مٹھی بھر خاک میرے ہاتھ میں رکھدی یہ وہی سرخ مٹی ہے۔ اسکے بعد فرمایا اے حسینؑ مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے قاتل کون کون ہیں؟

(طبرانی وابن ابی شیبہ و عبد بن حمید)

(۸) ام الفضل زوجہ حضرت عباس راوی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ذریعہ وحی مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ میری امت میرے بعد میرے فرزند حسینؑ کو قتل کرنے والی ہے اور جبرئیل نے مجھے مشہد حسینؑ کی سرخ خاک بھی لا دی ہے۔ (حاکم در مستدرک و بیہقی در سنن و دلائل)

(۹) حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت نے فرمایا آج میرے حضور میں وہ فرشتہ آیا جو اس سے پیشتر کبھی نہ آیا تھا اور کہہ گیا کہ میرا حسینؑ میرے بعد قتل کر دیا جائے گا بلکہ وہاں کی خاک تک مجھے لا دی۔ (امام احمد بن حنبل در مسند)

(۱۰) حضرت ام الفضل کا بیان ہے کہ ایک دن وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں دیکھا کہ آنحضرتؐ گریہ فرما رہے ہیں میں نے حسینؑ کو آپ کی گود میں دیا جس سے آپ اور بھی زیادہ رونے لگے میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان کیا بات ہے فرمایا اے ام الفضل جبرئیل آئے اور خبر دے گئے کہ میری امت میرے حسینؑ کو میرے بعد قتل کر دے گی اور مشہد حسینؑ کی یہ سرخ خاک بھی دے گئے۔

(بیہقی در دلائل النبوۃ)

(۱۱) حضرت ابو سلمہ راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ پر بالاخانہ بھی تھا جہاں آنحضرت جبرئیل سے ملا کرتے تھے۔ ایک دن بالاخانہ پر تشریف لیجاتے ہوئے بی بی کو آنحضرت نے تاکید فرمائی اوپر کسی کو نہ آنے دینا۔ نہ معلوم حسینؑ کیسے اوپر پہنچ گئے اور کسی نے دیکھا نہیں۔ جبرئیل نے آنحضرت سے ملاطفت فرماتے دیکھکر کہا یہ بچہ آپ کا بہت پیارا ہے حالانکہ آپ کے بعد آپ کی امت کے ہاتھوں یہ شہید ہوگا آنحضرتؐ نے تعجب سے پوچھا کیا میری امت اسکو قتل کرے گی۔ جبرئیل نے کہا ہاں اور عراق کیطرف جبرئیل نے ہاتھ بڑھایا اور تھوڑی سی سرخ خاک آنحضرت کو دی اور کہا یہ مشہد حسینؑ کی مٹی ہے۔ (ابن سعد در طبقات۔ بیہقی در دلائل و الملا در سیرت)

(۱۲) حضرت ام سلمہ راوی ہیں کہ ایک دن آنحضرت نے میرے حجرہ میں تشریف فرما ہو کر حکم دیا کہ اندر کسی کو آنے نہ دوں۔ میں دروازہ پر بیٹھی رہی نہ معلوم حسینؑ کیسے اندر چلے گئے آنحضرت کی آواز گریہ سنکر میں اندر گئی حضور حسینؑ کو پیار کرتے جاتے ہیں اور گریہ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا بخدا مجھے حسینؑ کے اندر آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی فرمایا میں جبرئیل سے گفتگو کر رہا تھا کہ حسینؑ اندر آ گئے انھیں دیکھکر جبرئیل نے پوچھا آپ اس بچہ کو بہت پیار فرماتے ہیں، میں نے کہا حسین مجھے بہت پیارا ہے، جبرئیل نے کہا امت آپ کے بعد ان کو قتل کر دے گی پھر انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور مجھے وہاں کی مٹی لا دی جسکا نام کربلا ہے۔

(ابن ماجہ و طبرانی)

(۱۳) حضرت ام سلمہ راوی ہیں ایک دن آنحضرت نے مجھے تھوڑی سرخ مٹی دی اور فرمایا یہ خاک کربلا ہے جو ایک فرشتے نے لا دی۔ تم اس کو محفوظ رکھو جس دن یہ خاک تازہ خون ہو جائے گی سمجھنا حسینؑ قتل کر دیے گئے۔ ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے اس خاک کو شیشہ میں ڈال رکھا جب سے حسین عراق گئے میں اس کو روز دیکھا کرتی تھی روز عاشورا میں نے اس خاک کو سرشام خون ہوتے دیکھا اور سمجھی کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔ (عبداللہ بن احمد بن حنبل)

(۱۴) حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ آنحضرتؐ کی بارگاہ میں فرشتہ باران حاضر ہوا اور یہ دن حضرت ام سلمہؓ کا تھا آپ نے ام سلمہؓ سے فرمایا اندر کسی کو آنے نہ دینا ام سلمہ دروازہ پر بیٹھی تھیں نہ معلوم حسینؑ کیسے اندر چلے گئے فرشتہ نے حسینؑ کو آنحضرت کی گود میں دیکھکر پوچھا آپ کو یہ بچہ بہت عزیز ہے۔ فرمایا ہاں بہت عزیز ہے فرشتہ نے کہا عنقریب آپ کی امت اس کو لے آپ دردانہ قتل کرے گی اور خاک کربلا اسی فرشتہ نے حضور کو دی جس کو آنحضرت نے مجھے دیتے ہوئے فرمایا اس کو محفوظ رکھنا جس دن یہ خون ہو جائے گی اسی دن حسینؑ شہید ہونگے۔

(احمد بن حنبل ابو حاتم و بغوی)

(۱۵) ام المومنین زینب فرماتی ہیں میں نے بارہا آنحضرتؐ سے سنا کہ جبرئیل نے انھیں خبر دی ہے کہ حسین شہید ہونگے اور وہاں کی خاک بھی مجھے لا کر دی۔ (طبرانی)

(۱۶) حضرت ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ جبرئیل نے انھیں خبر دی ہے کہ ان کی امت حسینؑ کو بھوکا پیاسا قتل کرے گی اور سرخ خاک کربلا بھی آنحضرت کو لا دی جس کو آنحضرت نے ہم سب کو دکھایا اور گریہ فرمایا۔

(طبرانی۔ احمد بن حنبل۔ ابن سعد و عبدالرزاق)

(۱۷) انس بن حارث راوی ہیں کہ میں نے آنحضرت کی زبان سے سنا

کہ حسینؑ کربلا میں قتل کیے جائیں گے اور صحابہ سے فرماتے یہ بھی سنا کہ تم میں سے جو بھی اس وقت ہو اس پر فرض ہے کہ حسینؑ کی مدد کرے اور فرمایا اے انس تم ضرور شریک ہوگے (چنانچہ انس شریک رہے اور شہید ہوئے۔ بغوی در معجم و ابن مندہ در سنن)

(۱۸) حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ میں نے آنحضرت کی زبان سے قتل حسین کی پیشگوئی سنی اور یہ بھی سنا لا بارک اللہ فی یزید وقاتل ابنی ھذا الحسین میرے پیارے حسینؑ کی موت کی بو یزید پلید سے آرہی ہے میں نے قبر حسین دیکھ لی ہے اور اسکے قاتل کو بھی دیکھا ہے بخدا جہاں حسین ہونگے وہاں کے لوگ اگر حسین کی مدد نہ کرینگے تو خدا اُن پر عذاب الیم نازل کرے گا۔

(طبرانی و ابن عساکر و ابو الشیخ و ابن جوزی)

(۱۹) ام المومنین حضرت عائشہ راوی ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا جبرئیل نے خبر دی ہے کہ میرا فرزند حسین قتل کیا جائے گا اور یہ اسکے مشہد کی مٹی ہے۔ جو لوگ حسین کا خون بہائیں گے اُن پر خدا کا سخت عذاب نازل ہوگا۔ اے عائشہ مجھے تکلیف اس کی ہے کہ وہ کون سنگدل ہوں گے جو حسینؑ کو شہید کرینگے

(ابن سعد۔ طبرانی و خلیلی در ارشاد)

(۲۰) حضرت معاذ بن جبل راوی ہیں کہ ایک دن حضورؐ نے اچانک فرمایا۔ یزیدا۔ یزید لعین! خدا اسکو اپنی برکات سے دور رکھے۔ میرے حسینؑ کے قتل کی بو اسی کم بخت یزید سے آرہی ہے پھر مجھے خاک مشہد حسینؑ دکھائی اور گریہ فرمانے لگے۔ (ابو نعیم و دیلمی)

(۲۱) حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا میری ہجرت کے ساٹھ سال پر حسین قتل کیا جائے گا۔

(طبرانی فی الکبیر و ابن عساکر)

اس حدیث کو علی متقی نے کنز العمال میں نقل کرکے لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی سعد بن طریف متروک ہے۔ مگر جب میزان الاعتدال دیکھی گئی تو لکھا ہے قال ابن معین لا یحل ان یروی عنه وقال احمد بن حنبل وابو حاتم هو ضعیف الحدیث وقال النسائی والدارقطنی متروک وقال ابن حبان یضع الحدیث علی الفور وقال الفلاس ضعیف یفرط فی التشیع وقال البخاری لیس بالقوی عندهم یعنی سعید بن طریف شیعی محدث ہیں انتہا بقول احمد بن حنبل ابو حاتم بخاری اور فلاس کے یہ ہے کہ وہ ضعیف تھے۔ (عینی)

(۲۲) حضرت ام سلمہ راوی ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا جب حسینؑ پر بڑھاپا آئے گا وہ اس وقت شہید ہوں گے۔ (طبرانی و باوردی)

(۲۳) شعبی راوی ہیں کہ میں جناب امیرؑ کے ہمراہ نینوا پہونچا اور کربلا نامی موضع واقع فرات پر ہم پہونچے جناب امیرؑ نے اس مقام کا نام دریافت کیا لوگوں نے اس کا نام کربلا بتایا یہ سنکر آپ رونے لگے میں نے وجہ دریافت کی فرمایا اے شعبی میں نے زبان رسالت سے سنا ہے کہ اسی جگہ حسینؑ شہید ہوں گے۔

(ابن سعد و احمد بن حنبل)

(۲۴) شیبان بن مخزوم کا بیان ہے جب حضرت علیؑ کربلا سے گزرے اور اس کا نام آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا یہاں ایسے شہدا قتل ہونگے کہ سوائے شہدائے بدر کے اور کوئی شہید اُن کے مرتبہ کے نہ ہونگے۔

(طبرانی)

(۲۵) اصبغ بن نباتہ راوی ہیں کہ جب جناب امیرؑ مشہد حسینؑ یعنی کربلا پہونچے فرمانے لگے اس جگہ ہمارے اونٹ بٹھائے جائیں گے اور اسی جگہ ہمارے خیمے کھڑے ہونگے اور فلاں جگہ ہمارے سازو سامان کھولے جائیں گے اور فلاں جگہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے خون بہائے جائیں گے۔

(روایت کی ملا نے سیرت میں اور محدث ابن خضر نے معالم عشرہ میں)

(۲۶) ابن سعد نے بطرق متعددہ روایت کی کہ حضرت علیؑ کربلا میں اُترے اور ایک درخت کے سایہ میں نماز پڑھی اور فرمایا اس درخت کے سایہ میں چند ایسے نفوس شہید ہوں گے جو افضل الشہدا ہوں گے اور جو شہدائے بدر کے ہم مرتبہ ہوں گے اور وہ بلا حساب و کتاب داخل جنت ہوں گے۔ پھر آپ نے ایک مقام پر ایک پتھر برائے نشان لاکر رکھا اور فرمایا یہیں میرا حسینؑ شہید ہوگا۔ اور یوم عاشورہ امام ہمام اسی پتھر کے پاس قتل کیے گئے۔

(۲۷) طبرانی اور ابن ابی شیبہ ابو ہریرہ سے راوی ہیں وہ فرماتے تھے میں جناب علیؑ مرتضیٰ کے ہمراہ کربلا میں آیا آپ اس زمین پر اُترے اور نماز پڑھی اور فرمایا اسی زمین سے ستر ہزار ایسے شہدا بروز قیامت اُٹھیں گے جو بلا حساب و کتاب داخل جنت ہونگے۔

یہی تھا وہ عظیم الشان شہادت حسینؑ کا واقعہ جو ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ میں واقع ہوا اور آج تک محرم میں اُسی کی یادگار قائم ہے۔

رباعی
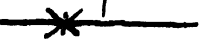
از جناب سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی دام ظلہ
شاگرد رشید استاد الشعرا جناب لڈن صاحب فور تغمدہ اللہ اعلی اللہ مقامہ

بر چہرۂ دیں ز خوں نگارے کردی
از ذبح عظیم یادگارے کردی
فائز شدہ از تو بر شہادت احمدؐ
واللہ کہ اے حسینؑ کارے کردی

ماخوذ از تحقیق شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب تحفہ در سر الشہادتین (پیام اسلام)

حسینؑ

از رشحات قلم عالیجناب سید سرور حسین صاحب سرور سنبھلی کہکشانی (میرٹھ)

السلام اے بادشاہ دین و دنیا السلام
کربلا والے حسین ابن علی عالی مقام

یاد ہے ہم کو شہ انسانیت تیرا پیام
بدلا تیرے خون نے رنگ سحر سے رنگ شام

درد کی دنیا ہلا دی دل کے ٹکڑے کر دیے
تیری ضرب آہ نے باطل کے ٹکڑے کر دیے

اے خدا کے صبر اے انسانیت کے بادشاہ
نیکی و اخلاق نے پائی ہے تیرے گھر پناہ

ظلم سہ کر بھی نہ کی اے جان زہرا تو نے آہ
بن گیا روح شریعت تیرا خون بے گناہ

عزم تیرا باعث تعمیر ایماں ہو گیا
تیرا خوں درد دل مسلم کا درماں ہو گیا

اے تجلی پاش اے ماہ تمام کربلا
تو نے بزم عالم اخلاق کو روشن کیا

بھر دیا قربانیوں سے تو نے دامان وفا
مرحبا اے وارث عزم پیمبر مرحبا

کفر کے کانٹوں کو چن کر صاف کی راہ نجات
خون نے تیرے بدل ڈالا نظام کائنات

اے نشاط روح زہرا اے سکون بوتراب
کر کے چھوڑا چہرۂ باطل کو تو نے بے نقاب

آج تک ہے نقش دل پر تیرا عزم کامیاب
روح نغمہ بن گیا ہے ٹوٹ کر تیرا رباب

اٹھ رہی ہے جہاں میں شورش آفات کی
اے حسینؑ نے [illegible] کی ترے ثبات کی

تو نے زندہ کر دیا انسانیت کے نام کو
کھیل سمجھا دین کی خاطر غم و آلام کو

بخش دی تو نے حیات جاوداں اسلام کو
حشر تک دنیا نہ بھولے گی ترے پیغام کو

دے گئی وہ درس عبرت کارفرمائی تری
غم کی ہر تصویر میں صورت نظر آئی تری

ہم نہ بھولیں گے کبھی تیرا فسانہ یاد ہے
سجدۂ معبود میں سر کا کٹانا یاد ہے

اپنے خون دل سے پیاس اپنی بجھانا یاد ہے
بخشش امت کی خاطر گھر لٹانا یاد ہے

مسکرا کر تو مقابل ہو گیا آلام کے
داغ خون دل سے دھوئے دامن اسلام کے

سخت مشکل کام تھا جو سر کیا تو نے حسینؑ
کفر کی بیعت نہ کی سر دے دیا تو نے حسینؑ

ہنس کے خود جام شہادت پی لیا تو نے حسینؑ
حق کے دامان دریدہ کو سیا تو نے حسینؑ

کر دیا بے رنگ تو نے کفر کی تصویر کو
پنجۂ باطل سے واپس لے لیا جاگیر کو

حضرت سید الشہداء کے متعلق دور حاضر کے علماء و مورخین اہلسنت کے بیانات

(از جناب سید محمد اکبر صاحب رضوی سیتاپوری مولف حسینی دنیا)

ناظرین کی خدمت میں وہ اقتباسات مختصراً پیش کرتا ہوں جن کے ملاحظہ کے بعد یہ اندازہ ہوگا کہ واقعاً اُن علماء جید اور مورخین نے حسینؑ کی بلند شخصیت پر کس قدر گہری نظر ڈالی ہے اور اُس پر اتنے غور و فکر کے بعد کیا نتیجہ حاصل کیا ہے تاخیر کے خیال سے زیادہ نام پیش کرنے سے قاصر ہوں مگر بعض بیانات کا ترجمہ تمام و کمال (درج کیا گیا ہے)

استاذ الادیب الشیخ سلیمان الوکیل الازہری

"ہائے وہ دلوں کیلئے اندوہناک غم ہے عجیب کہ وہ قتل حسین کا ذکر سنیں یا پڑھیں اور قتل حسین کے ذکر سے بے چینی اور اضطراب کی وجہ سے قلوب کیوں نہ ٹکڑے ہو جائیں حالانکہ مصائب حسینؑ کی زنجیر سے آدمیوں کے دل شگافتہ ہوگئے اور قتل حسین کے باعث وہ اپنے دین سے دوسرے دین پر پھر گئے یعنی اپنے دین سے منحرف ہوگئے میں کسی قدر (شمبلیز مستشرق) کی حالت کو لکھتا ہوں۔ موت نے اس کی بہت پیاری اولاد کو اسی کے سامنے ہلاک کر دیا تھا۔ مگر وہ مغموم نہیں ہوا جیسا کہ حسین کی شہادت کا حال سن کر مغموم ہوتا تھا۔ وہ خود کہا کرتا تھا کہ حسین مظلوم کے مصائب سننے کے بعد مجھ سے ضبط نہیں ہوتا۔ اور نہ میں اپنے ہوش میں رہتا ہوں جب تک کہ اچھی طرح آنسوؤں سے نہ رو لوں۔"

الاستاذ المورخ حسن محمد قاسم آفندی

مولف کتاب المزارات المصریہ و تاریخ مشہد السیدۃ زینب و ذکر مصرع الحسین

"قابل بیان امر ہے کہ ہم پورے طور پر اس کا یقین رکھیں کہ حسین قوم کوفہ و شام کے ساتھ محض خلافت کے لیے نہیں لڑے جس کے واقعی وہ سزاوار اور مستحق تھے بلکہ اپنے جد کے طریقہ اور سُنت رسول کے لیے لڑے۔ سنت فنا ہو چکی تھی یا قریب فنا پہونچ گئی تھی اس وقت جب کہ یزید کا گروہ تخت سلطنت پر قابض تھا۔ اور حکومت کی باگ ڈور بجائے ہاتھ کے گلے میں ڈالے ہوئے تھا۔ اور اگر حسین کے لیے بغیر اس تنازع اور طلب بیعت اور قتل و خونریزی اور شہادت اقرباء کے امر خلافت متعین ہو جاتا تو اسلام عزت و شان و منزلت و قوت کے اعتبار سے بہت کچھ بڑھا چڑھا ہوتا حسین کے خلافت یزید کے اقرار کر لینے کا یہ مطلب ہوتا کہ واقعی حسین رسول کے نواسے نہیں ہیں کیونکہ حسین جیسی ذات کا یزید پلید کی بیعت قبول کر لینے کے یہ معنی ہوں گے کہ حسین نے اپنی بزرگی اور کل عقل۔ کل مسلمانوں کا حق اور اپنی کل قوم کی کل امیدوں کو یزید کی خوشنودی کے لیے بیچ دیا۔ ایسا کرنا تو حسینؑ جیسی بزرگ ہستی کے لیے محال تھا بلکہ ہر اشتی آدمی کے لیے محال تھا جو فضیلت کا کچھ بھی حامل ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجیے کہ حسینؑ کا یزید کی بیعت کر لینا گویا اس بات کا تسلیم کر لینا ہے کہ بزرگی اور کمینگی۔ انصاف و ظلم برابر ہے اور حق و باطل ایک ہی چیز ہے اور نور بھی مثل تاریکی کے تیرہ و تار ہے۔ علم و جہالت درجہ میں برابر ہیں ہلکا بھاری وزن میں برابر ہے پس کیا ایسا کرنا حسینؑ کے لیے جائز تھا؟ نہیں ہرگز نہیں — پھر کیا ایسا کرنے کے بعد حسین کا خاموش ہو کر بیٹھ جانا اور سکون و آرام کی زندگی بسر کرنا بھی ممکن تھا یا نہیں؟ ہرگز نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر حسین تقیہ کر کے بیعت کر لیتے تو یزید کے شر سے محفوظ رہتے اور اس کے مکر سے نجات پا جاتے اور اپنی عزت اور اپنے دل کے ٹکڑوں یعنی اولاد کو بھی بچا لیتے۔ سادہ لوح افراد کا یہ کہنا محض ایک وہم و خیال ہے اس لیے کہ یزید کھلم کھلا فسق و فجور کا عامل تھا برخلاف معاویہ کے اپنے اعمال کو جو محفوظ رکھتے تھے پس حسین جیسی ذات کا یزید سے بیعت کرنا ظاہری شریعت کے رو سے بھی ناجائز تھا یزید کی ایسی نالائقی اور نمایاں فسق کی وجہ سے سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی بلکہ معاویہ نے جو یزید کو اپنا خلیفہ قرار دیا تھا اس کو ناپسند کیا اور یہ چاروں حضرات معاویہ کی زندگی بھر معاویہ سے علیحدہ رہے جب ان چار شخصوں سے یہ ظہور میں آیا تو حسین بدرجہ اولیٰ اس کے سزاوار تھے کہ ایسے بے دین شخص کی بیعت سے انکار کر دیں۔ ان سب امور کے بعد یہ امر تھا کہ حسین جانتے تھے کہ بیعت کروں یا نہ کروں ضرور قتل کیا جاؤں گا کیوں کہ حضرت نے متعدد موقعوں پر اس کا اندازہ فرما لیا تھا کہ اگر میں سوسمار کے سوراخ میں بھی چھپوں گا تب بھی یہ لوگ مجھ کو نہ چھوڑیں گے۔ ابن زیاد نے حسین کے قتل سے تشفی حاصل کرنے کے لیے عمر سعد کو خط بھی لکھا تھا کہ حسین اور اصحاب حسین پر پانی بند کر دے جیسا کہ متقی عثمان کے لیے پانی بند ہوا تھا اور یزید نے تو کھلم کھلا اپنی طرف سے انتقام لینے کا اعلان ہی کر دیا تھا جیسا کہ یزید کے اس شعر سے ظاہر ہے۔ (ترجمہ شعر)

(اگر میں اولاد احمد سے ان چیزوں کا بدلہ نہ لوں جو آل رسول سے ہمارے خاندان کے لیے ہوئے ہیں تو میں خاندان خندف ہی سے نہیں رہوں گا)

پس ایسے وقت میں حسین مظلوم نہ اپنی بیعت کرنے اور نہ کرنے کی حالت

میں مقتول ہو جانا ہی مدنظر فرمایا (صرف فرق اتنا ہی کہ) اگر بیعت کرنے کی حالت کے بعد قتل کیے جاتے تو اپنے قتل کے ساتھ ساتھ اپنی بزرگی اور اپنے جد کے آثار باقیات کو فنا کر دیتے اور عدم بیعت کی صورت میں محض حسینؑ کا قتل ظہور میں آیا مگر امت محمدیہ زندہ وقائم رہی "۔

الادیب المؤرخ العلامہ عبد العلی

مولف سیرت الحسین ..... طبع بیروت

"حسین ہدایت کے مجسم ستارے ہیں جو تاریکی شب میں چمکتا ہے بلکہ وہ حسین کی ضیا کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے آپ آسمانوں میں روشنی کی قندیل ہیں تو یہ بھی آپ کی بزرگی اور رموز ہیت کا ایک جزء ہے۔ آپ نے اطراف عالم کی کلیوں کے گلدستے کھلائے۔ پس آپ کی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ آسمان پر آپ نے راحت کو جگہ دی اور زمین کو خوشی سے بھر دیا یہ سب آپ کے نور کا جلوہ ہے۔ اگر حسین علیہ السلام کے حالات ہم بیان کریں تو کوئی محل تعجب نہیں ہے کیونکہ حسین کی وہ بزرگ انسانیت ہے جس میں ہم فطری مقدس اور پاک نبوت کا بے مثل جلوہ دیکھتے ہیں ..... پس گویا خدائی روح یعنی خدائی جلوہ آپ کی بشری طبیعت میں تھا اور غیب کے معانی و مقاصد آپ کے جسم سے ظاہر ہوتے تھے ...... (جیسا ہے) آپ کی ذات مقدس بھی اُن خدائی کرشموں کی حامل تھی "۔

علامہ جلال الحسینی الحنفی

مصنف کتاب "الحسین" طبع قاہرہ

"اکثر عقلاء کا یہ خیال ہے کہ قتل حسینؑ مسلمانوں کی سب سے بڑی مصیبت ہے منصور ثعالبی ثمار القلوب کے آخر میں فرماتے ہیں۔ کہ وزیر عبد اللہ بن سلیمان کی یہ رائے ہے کہ عالم اسلام میں مسلمانوں کے لیے قتل حسین سے زیادہ سخت اور کوئی شے نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت کی شہادت کے بعد مسلمان ہر اس کشاکش سے جس کی وہ امید کرتے تھے۔ ناامید ہو گئے اور جس عدل و انصاف کے منتظر تھے اس سے مایوس ہو گئے "۔

مصور حقائق مولانا عبد اللطیف خاں صاحب

لوحانی خالص پوری صاحب تعزیت حسین

ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک کسی بشر نے راہ حق میں یہ استقلال نہیں دکھلایا اور نہ اس قدر مصائب پر صبر اور شکر کا مرتبہ حاصل کیا۔ اس مقام امتحان میں یہ بہت مشکل بات تھی کہ اپنی زبان سے کسی کے حق میں کسی قسم کی بددعا تک نہ فرمائی الحق کہ وہ بارگاہ الٰہی میں اپنے مستجاب الدعوات تھے کہ اگر چاہتے تو یزید اور اس کا مقہور لشکر بالکل خاک سیاہ ہو جاتا "۔

استاد تفسیر و دینیات مولانا عبد القیوم صاحب

ندوی درسگاہ انجمن تبلیغ الاسلام پونا

"غرض کہ اس شہادت پر عالم ادنیٰ سے لیکر عالم بالا تک اور فرش سے لے کر عرش تک کائنات کا ذرہ ذرہ خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ اسی آغاز میں دن کا تھکا ہوا مسافر رنج کی وجہ سے مغربی افق میں سینہ کوبی کرتا ہوا اور خون کے آنسو بہاتا رو پوش ہو گیا جس کے رو پوش ہوتے ہی نیلا آسمان سرخ ہو گیا یہ سرخی بتا رہی تھی کہ یہ معصوم اور رسول الثقلین کے چہیتے حسینؑ راہ حق اور انصاف کی خاطر مرنے والے حسین اور آزادی کے سب سے بڑے داعی حسین کا خون ہے جو خاک کربلا سے سمٹ کر آسمان پر آگیا ہے اور اب جو ہر آنے والی صبح اور ہر ڈھلنے والی شام کو یہی خونی منظر پیش کیا کرے گا۔

(اردو روزنامہ حقیقت لکھنؤ ۱۴ مارچ سنہ ۱۹۳۵ء)

مولانا محمد لطیف الدین صاحب مدرس مدرسہ نظامیہ

فرنگی محل لکھنؤ مصنف الصارم العین الشہادۃ الحسینؑ

"حسب ارشاد خداوندی ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا یزید نا قابل امارت و بادشاہت اہل اسلام نہیں تھا اسی وجہ سے حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اس سے محاربہ اور مجاہدہ پر کمر ہمت باندھی تاکہ اس کافر فاجر کا تسلط اہل اسلام پر نہ ہونے پائے کیونکہ اس کے تسلط سے فسادات عظیمہ کا اندیشہ تھا جیسا کہ واقع ہوا۔ ایسے ہی حضرات کی شان میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا واللہ یحب الصابرین۔ یعنی جو تکالیف اللہ کی راہ میں ان کو پہونچیں اس کی وجہ سے نہ انھوں نے ہمت ہاری اور نہ سست ہوئے اور نہ عاجزی کی اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے "۔

مولانا ابو الکلام آزاد

" یہ حق و صداقت، آزادی و حریت کی ایک عظیم الشان قربانی تھی جو صرف اس لیے ہوئی کہ پیروان اسلام کے سامنے اسوۂ حسنہ پیش کر سکے۔ فی الحقیقۃ آج بھی اگر گوش حق نیوش باز ہوں تو خاک کربلا کا ایک ایک ذرہ توجہ فرمائے صبر و استقامت ہے "

(شمس العلماء) خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

ہندوستان کے ہندو مسلمانوں اور شیعہ سنیوں کے اتفاق اور اتحاد کا اگر کوئی حقیقی اور اصلی ذریعہ ہے تو وہ کربلا کے مظلوم کی قربانی ہے۔ اس کی برکت کے دامن کا توسل ہم سب کو ایک دل بنا سکتا ہے جس کی موجودہ زمانہ میں ہندوستان کو بے حد ضرورت ہے۔

وہ ہندوستان جس کی نسبت حضرت امام حسین علیہ نے کربلا کے میدان میں لڑائی سے پہلے خود اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ "مجھے ہندوستان جانے دو۔ جہاں سے مجھے محبت کی خوشبو آتی ہے۔ تیرہ سو برس بعد آج یہ الفاظ مطہر ہم ہندوستانیوں کے مکدر دلوں کو پاک کر دیں گے۔

واقعہ کربلا کے متعلق غیر مسلم اکابر و مشاہیر کے اقوال

مُرتبہ ادارۂ پیامِ اسلام

(۱) گبن مصنف تاریخ زوال سلطنت روم

"بعید ترین زمانوں اور بعید ترین اقلیموں میں بھی حسینؑ کی موت کے اندوہناک مناظر ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت کے آدمی میں بھی ہمدردی کے شعلے پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

(۲) مسٹر براؤن مصنف کتاب "تاریخ ادبیاتِ ایران"

"حسینؑ کا قتل، مدینہ کی تاراجی اور مکہ کا محاصرہ ان تین تاریکی چیرہ دستیوں میں پہلی چیرہ دستی ایسی تھی جس نے تمام اسلامی دنیا کو لرزہ براندام کر دیا اور ایک شخص بھی جس کے سینہ میں جذبات تھے، اس دردناک کہانی کو سن کر بے چین ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔"

(۳) رہنمائے ہندوستان گاندھی جی

"میں نے کربلا کی الم ناک داستان اُس وقت پڑھی جبکہ میں نوجوان ہی تھا، اُس نے مجھ کو دم بخود اور مسحور کر دیا۔"

(۴) مہاراجہ سرکشن پرشاد

(سابق وزیر اعظم حیدرآباد دکن)

"نہ فقط دنیائے اسلام بلکہ ابتدا آغاز تا انجام کوئی مثال دنیا میں واقعۂ روح فرسائے ارض نینوا کے مثل ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملے گی یہ سانحہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اپنی مثال خود ہی ہو سکتا ہے۔ واقعۂ کربلا ہی ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس کے جزئیات پر نظر ڈالنے سے انسان کو تہذیب اخلاق کا پورا پورا میدان ہاتھ آتا ہے مظلوم حسین نے جس استقلال اور مضبوط ارادہ کے ساتھ دنیا میں صداقت اور حق کا علم گاڑا وہ صرف اسی کی ذات سے ہو سکتا تھا جس کو خدا نے ایسا بہادر دل دیا تھا۔"

(۵) سوامی شنکر آچاریہ

"میں نے حسینؑ سے بڑھ کر کوئی شہید نہ دیکھا اور حسینؑ کی شہادت کے اثر سے زیادہ کسی شہید کی قربانی کا اثر نہ ہوا۔"

(۶) منشی پریم چند

"معرکۂ کربلا دنیا کی تاریخ میں پہلی آواز ہے اور شاید آخری بھی جو مظلوموں کی حمایت میں بلند ہوئی اور جس کی صدا آج تک فضائے عالم میں گونج رہی ہے۔"

(۷) مہاراجہ جیواجی راؤ سندھیا آف گوالیار

"رسول اسلام کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؑ نے ظالم کے مقابلہ کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، وہ جور و تعدی کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہیں تھے۔ ان میں عقیدہ اور ضمیر کی پختگی تھی، اعلیٰ ترین مقاصد اور بلند ترین نصب العین اُن کے سامنے تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک بڑی اور طاقت ور فوج کا دندان شکن مقابلہ کیا۔ وہ اور اُن کے ساتھی اس جنگ میں مارے گئے۔ دشمن کے ظلم و تعدی کا مقابلہ آپ نے خدا کے انصاف پر اعتماد رکھتے ہوئے اپنے اٹل ارادہ، اپنی بلند ہمت اور اس مستحکم عقیدہ سے کیا کہ چاہے اس وقت جو کچھ بھی ہو مگر آخر میں حق اور صداقت ہی کو فتح نصیب ہوگی تاریخ اسلام کا یہ یادگار واقعہ عقائد کے اختلاف اور نسل، رنگ اور مذہب کے تنگ نظریات سے بالاتر ہے اور اس قابل ہے کہ نسل انسانی اس کو اپنے دلوں میں جاگزیں کرلے اور قربانیوں کی پرواہ کیے بغیر اس کی اہمیت کو سمجھ لے۔"

(۸) سر رادھا کرشنن

"امام حسین نے اپنی قربانیوں اور ایثار سے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ دنیا میں حق و صداقت کو زندہ اور پائندہ رکھنے کے لیے ہتھیاروں اور فوجوں کے بجائے جانوں کی قربانی پیش کر کے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ انھوں نے دنیا کے سامنے ایک بے مثال نظیر پیش کی ہے۔ آج ہم اس بہادر جان نثار کرنے والے اور انسانیت کو زندہ کرنے والے عظیم الشان انسان کی یادگار مناتے ہوئے اپنے دلوں میں فخر و مباہات کا جذبہ محسوس کرتے ہیں امام حسین نے ہمیں بتا دیا ہے کہ حق و صداقت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کیا جا سکتا ہے۔"

(۹) مسٹر بی جی کھیر

"امام حسین نے ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ ہماری زندگی کے لیے چراغ کا کام دیتا ہے۔ یہ آسان بات ہے کہ حق اور سچائی کے لیے اپنی جان دے دی جائے مگر یہ کام مشکل ہے کہ ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ میں چند گنے چنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کو لے کر اُن کا مقابلہ کیا جائے اور یکے بعد دیگرے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دوستوں اور

رشتہ داروں کو قتل ہوتا ہوا اور گھروں کو لٹتا اور برباد ہوتا ہوا دیکھیں۔ انھوں نے تیرہ سو سال قبل جو سکھایا تھا وہ سبق آج تک ہم سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امام حسین صرف مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ ہندوؤں کے بھی ہیں اور ہندو مسلمان اُن کے نقش قدم پر چل کر ظلم و ستم کے خلاف سینہ سپر ہو سکتے ہیں۔"

(۱۰) بابو راجندر پرشاد

"کربلا کا واقعۂ شہادت تاریخ کا وہ واقعہ ہے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور جو دنیا کے کروڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی پر اثر ڈالتا رہے گا۔ ہندوستان میں اس واقعہ کی یادگار بڑی سنجیدگی سے منائی جاتی ہے جس میں نہ صرف مسلمان حصہ لیتے ہیں بلکہ غیر مسلم افراد بھی مساویانہ دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں۔"

(۱۱) دستور کیخسرو مہیار دکتور پیشوائے اعظم فرقہ پارسی بمبئی

"اگر شہدائے اعظم کی قربانیاں نہ ہوتیں تو دنیا اخلاق، مذہب اور صداقت سے ناآشنا رہتی۔ دنیا ان شہدا کی ممنون ہے جنھوں نے موت کو ذلت پر ترجیح دی۔ امام حسینؑ ان شہدا میں ہیں جنھوں نے انسانیت کی خدمت کے لیے جان دی۔ ہم کو ان کی یاد اپنے عمل سے منانا چاہیے اور ان کی قربانیوں سے سبق لینا چاہیے۔"

(۱۲) ریورینڈ فادر پیلا شمس سابق پرنسپل

سینٹ ایکسویرس کالج (بمبئی)

"امام حسین کی قربانی یقیناً تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے جس نے صداقت کو کذب پر فتح حاصل کرنے میں مدد پہنچائی ہے۔"

(۱۳) فریڈرک جے گولڈ

"اگر میں نوجوانانِ ایشیا، افریقہ، آسٹریلیا، امریکہ اور یورپ کو عراق کے میدان میں جمع کر سکوں اور اگر میں حسین اور عباس کے روضوں کے روبرو کربلا میں کھڑا ہو سکوں اور اگر میری زبان اور لب و لہجہ سب لوگ سمجھ سکیں تو میں حسین کی زندگی اور موت کے اندرونی اور روحانی پیغام سے متعلق گفتگو کروں گا۔ حسین انسانیت کامل کے بہترین نمونہ تھے جبکہ وہ ریگستانوں میں، دریاؤں میں، نفرت اور بے رحمی کی تاریک گھاٹیوں میں امن اور ہمدردی کی دعوت دے رہے تھے۔ اُن کی عملی زندگی میرے نزدیک ایسی ضرب المثل ہے جو عالمگیر معنی رکھتی ہے۔"

(۱۴) مسٹر کے، ایل، دلیا دار

"امام حسین کی شہادت کا واقعہ کسی ایک قوم سے متعلق نہیں ہے۔ امام اس وقت اپنی بلند سیرت کا اظہار فرما کر آنے والی قوموں کے سامنے ثبات و استقلال، صبر و سکون، اور حق پسندی کا ایک کامل نمونہ رکھ گئے ہیں تاکہ اُن کی قربانی کو سامنے رکھ کر ظالموں اور جفاکاروں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی تصویر وہ جوہر کھلے ہیں جن پر غور کر کے انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ اس چودھویں صدی میں جب کہ دنیا انسانیت اور صداقت سے کوسوں دور ہٹ گئی ہے آپ کی بلند سیرت قوموں کے لیے مشعل ہدایت کا کام دے سکتی ہے۔ امام نے چونکہ حق و صداقت کے ایک عام اصول کے لیے جان دی اس لیے ہر قوم و مذہب کے لوگ آپ کی مظلومیت اور فداکاری پر آنسو بہاتے ہیں۔ دنیا سے سیکڑوں سلطنتیں مٹ گئیں۔ ہزاروں بڑے بڑے انسان پیوند زمین ہو گئے کہ آج کوئی ان کا نام بھی نہیں لیتا۔ لیکن امام نے اپنی قربانی سے تاریخ پر ایسا نقش چھوڑا ہے جو اپنی پائداری سے جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا ہے۔ دنیا بدل جائے گی۔ عالم ظاہر کے آب و رنگ میں تغیر آ جائے گا لیکن ظالم اور مظلوم باقی رہیں گے اور جہاں بھی حق و صداقت جبر اور ظلم سے برسر پیکار ہوگی وہاں حسین اور یزید کو یاد کیا جائے گا ہر دور میں یزید پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن حسین جیسا صداقت پسند، بلند سیرت کا انسان اب پیدا نہ ہوگا۔

امام حسینؑ کے اصولوں کی ہمہ گیری ایک ایسا واقعہ ہے جس پر تمام قوموں کے اتحاد کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔"

(۱۵) ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور

یہ مادی دنیا جس میں ہم بستے ہیں اُس وقت اپنا توازن کھو دیتی ہے جب اُس کا رشتۂ محبت کی دنیا سے قطع ہو جاتا ہے ایسی حالت میں ہمیں نہایت سستی اور کم وقعت چیزوں کی قیمت اپنی روح سے ادا کرنا پڑتی ہے یہ صرف اُسی وقت ہو سکتا ہے جب مادیت کی مقید کرنے والی دیواریں خیالات کی آخری منزل ہونے کی دھمکی دیتی ہیں۔ اس موقع پر صرف وہ ہماری مدد کرتا ہے جو اپنی حیات مستعار سے یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ ہم روح بھی رکھتے ہیں وہ روح جس کا مسکن محبت کی بادشاہت میں ہے اور پھر ہم جب روحانی آزادی حاصل کر لیتے ہیں تو مادی ہتھیاروں کی مصنوعی قیمتوں کا زور ہماری نگاہوں میں ختم ہو جاتا ہے یہ سبق حسین نے کربلا میں سکھایا۔

(۱۶) لالہ دینا ناتھ آتش ایڈیٹر روزنامہ "دیر بھارت"

کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہم تو یہ کہیں گے کہ اسلام نے اس وقت تک جتنے شہید پیدا کیے ہیں اُن میں امام حسینؑ کا درجہ سب سے بلند ہے۔

بزرگ ہستیاں خواہ اُن کا تعلق کسی مذہب سے بھی ہو ہمارے نزدیک واجب الاحترام ہیں اور غیر مذاہب کے رہنماؤں کی عزت کرنا ایک ایسا وصف ہے جو ہندوؤں کو اپنے رشیوں سے وراثت میں ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برہم سماج جیسی سوسائٹیاں ہندوؤں میں ہی قائم ہوئیں۔ اور اب بھی ہندوؤں ہی کی سرپرستی اور مدد سے چل رہی ہیں ان حالات اگر ہم عرب کے اس شہید اعظم کو خراج تحسین ادا کرتے ہیں تو اس کا مقصد مسلمانوں کو خوش کرنا نہیں بلکہ درحقیقت ایک

جلد (۲) — پیام اسلام — نمبر (۱)

۲۴ر نومبر ۱۹۴۷ء

حسینؑ کے نقش قدم کی روشنی آج کی تاریک فضا میں

حسینؑ وہ حسینؑ جنھوں نے دنیا کو شرافت وعزت نفس، ایثار و قربانی عدل و انصاف کا روشن سبق پڑھایا۔ آہ آج ہم اُن کے سبق کو بھول گئے انھوں نے کشادہ دلی، بلند حوصلگی، اور بلند نظری کے الفاظ کو عملی طور پر وابستۂ معانی بنایا۔ لیکن افسوس اب یہ الفاظ ہمارے صفحۂ ذہن پر نہیں۔

حسینؑ نے عالم انسانیت کو اپنے عمل سے مساوات، یکجہتی اور اتحاد و اتفاق کا پیغام دیا اور انسانیت کا اعلیٰ معیار دکھایا۔ یقین رکھنا چاہیے کہ بلند ایمان کی قدر کسی مذہب کسی قوم اور کسی ملک میں محدود نہیں ہے اور اسی لیے سید الشہداء کی زندگی کسی خاص جماعت کے لیے نہیں بلکہ ہر صلاحیت پسند انسان کے واسطے ہدایت کی شمع اور چراغ سر منزل ہے۔ جب کبھی انسانی دماغ میں نیکی کا تصور ہوگا جب کبھی اچھائیوں کا تذکرہ آئے گا۔ تب حسینؑ کی یاد دلوں کو تڑپائے بغیر نہ رہ سکے گی۔

آج جب دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ جب امن و امان کے خرمن کو اپنے ہاتھوں جلایا جارہا ہے جب تنگ نگاہی اور پست نظری نے عالم کو تہ و بالا کر رکھا ہے۔ اس وقت اگر حسینؑ کی بلند نظری ان کی وسعت نگاہ کو یاد دلایا جائے تو شاید دنیا پلٹ کر پھر ایک بار امن و امان کے معتدل نقطہ پر آجائے۔ حسینؑ نے انسانی نگاہ کی کشادگیوں کو وسعت سے وسیع تر بنا دیا انھوں نے انسانوں کے درمیان ہر طرح کی بیگانگی کا استیصال کر دیا۔ انسانی بلندی اور اس کا تفوق صرف نیک کردار کو قرار دے کر انھوں نے تمام عالم انسانی کو ایک مرکز پر آجانے کا موقع دے دیا۔ اگر انسان آپس میں ایک دوسرے کو کچھ نہیں صرف انسان ہی سمجھنے لگے تو یہ احساس ہی اتفاق و اتحاد کی فضا قائم کرنے اور امن و امان کی اجڑی دنیا بسانے کے لیے کافی ہے۔

پُر سکون فضا جب ہی بنتی ہے جب کوئی ایک نقطۂ مشترک تمام متفرق افراد کے سامنے ہو۔ امام حسینؑ کا کارنامہ یہی تھا کہ انھوں نے پریشان و سرگردان انسانوں کے لیے ایک مشترک نقطہ بنا دیا اور وہ انسانیت کا مرکزی نقطہ تھا۔ کربلا میں اُنھوں نے اسی انسانی مشترک نقطہ کا عملی مظاہرہ کیا جس سے انسانیت اور حیوانیت کے درمیان ایک واضح اور طولانی حد فاصل قائم ہوگئی۔

حسینی طرز کار اور انداز کردار سے الگ انسانیت کو ڈھونڈھو ہرگز نہ ملے گی وہ انسانیت سے ایسے پیوستہ ہوگئے کہ انسانیت کا نام حسینؑ اور حسینؑ کا نام انسانیت ہوگیا۔ اس لیے اگر امن و امان قائم کرنا ہے تو حسینی سیرت حسینی رواداری کو اُبھارنا سب سے پہلا کام ہے۔

امام حسینؑ کی سیرت ایک گلدستہ ہے اوصاف و محاسن کا زندگی کے ہر شعبہ میں ان کا اسوۂ حسنہ ان کا نقش قدم ہمارے لیے راہ ہدایت میں مہر نیمروز سے کم نہیں۔

وہ عزم و استقلال، وہ تنظیم، وہ ہمدردی و یکجہتی اگر آج پیدا ہوجائے تو دنیا یقیناً جنت کی یاد تازہ کر دے۔ انھوں نے ہم کو ایثار و قربانی کا سبق پڑھایا اگر ہم اسے یاد رکھتے تو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکنے کے بجائے ایسی کھیتی کہ پھر نہ شعلہ ور ہوتی۔ مگر خود غرضی، اپنے مفاد کا لحاظ دوسروں کو پس پشت ڈال دینا وہ ذلیل باتیں تھیں جنھوں نے ہم کو تباہ و برباد ہی نہیں کیا رسوا و بدنام بھی کر دیا۔

ہندوستان وہ ہندوستان جس کے لیے مشہور ہے کہ امام نے فرمایا تھا کہ اچھا میں ملک عرب چھوڑ کر ہند کی طرف چلا جاتا ہوں اس ہندوستان کا اپنے تاریخی روایات کو بھلا کر فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جانا نہ فقط اپنے پرامید مستقبل کو تاریک بنانا ہے بلکہ اسلاف کے کارناموں پر اخلاف کے ہاتھوں پانی پھیر دینا ہے۔ عرب جنگ جو اور مفسد ملک مشہور ہے لیکن ہندوستان کا امن و امان وہ تھا جس پر امام حسینؑ کی نظر اتنی دور سے پڑ رہی تھی۔ افسوس آج ہم اپنے ہاتھوں اپنی تہذیب و شرافت کی قبر بنا رہے ہیں آج حسینؑ کی یاد اسی لیے ضروری ہے کہ شاید اس تاریک فضا میں حسینؑ کا نقش قدم آفتاب بن کر چمکے۔ اور اس تاریک رات کو روشن دن سے بدل دے۔

ہمارا نیا سال

تمام اقوام عالم میں صرف مسلمانوں کو یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سال نو مسرت کے بجائے غم سے شروع ہوتا ہے۔ اپنا غم نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کے نواسے کا غم جو بونت و حار دل میں انسانیت اور اسلام کے درد کو تازہ کر دینے والا ہے اب کی سال اسی مطابقت سے "پیام اسلام" کا نیا سال بھی حسین مظلوم کے ماتم کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس کی دوسری جلد کا پہلا نمبر یہ محرم نمبر ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ جس طرح حسینؑ کا غم پائدار بلکہ دائمی بقا کا حامل ہے اسی طرح آپ کا نام لے کر سال نو کی ابتدا کوتاہ نظر افراد کے عام خیالات کے مطابق غم کی تمہید ہوگی نہ نحوست وہ ایک مستقل زندگی کا پیغام ثابت ہوگی جس سے اُن ہی مقاصد کے احیاء کا کام لیا جاتا رہے گا۔ جس کے لیے شہید کربلا نے کربلا میں اپنی جان دی تھی

گزشتہ سال کی روئداد بیان کرنا افسانۂ ماضی کے اعتبار سے کوئی نتیجہ خیز چیز نہیں بہرحال اتنا تذکرہ بے محل بھی نہیں ہوگا کہ "پیام اسلام" ایک

صاف اور شفاف فضا میں جاری ہوا تھا جب وقت مستقبل امید افزا تھا اور ہم بلا تامل یہ کہہ سکتے ہیں کہ جہاں تک افراد ملک کی توجہ قدردانی اور ہمت افزائی کا سوال ہے وہ توقعات بہت حد تک پورے ہوئے۔ پیام اسلام کا دائرہ اشاعت تھوڑے دنوں میں ہندوستان کے شرق و غرب کے تمام صوبوں کو محیط ہو گیا اور بیرون ہند بھی اُس کے خریدار ہو گئے۔ ملک کے ممتاز اخبارات نے اس پر ممتاز تبصرے کیے۔ قوم کے ممتاز اہل قلم نے اس میں مضامین بھیجے اور بلند پایہ شعراء کی نظمیں شائع ہوئیں۔ اُن کے مضامین، اُن کے تبصرے، اُن کے اداریے مقالے یہاں تک کہ اُس کے نکات اور لطیفوں تک کے اقتباسات دوسرے اخباروں نے اپنے صفحات پر درج کیے اور اس کے پیش کردہ نظریات کی ملک کے بڑے حلقوں میں قولی یا عملی تائید ہوئی۔ یہ سب کچھ ایک نئے اخبار کے لیے کچھ کم باتیں نہیں ہیں مگر اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہے اور وہ اُس کے اجراء کے چند ہی مہینے کے بعد ملک کی حالت کا دگرگوں ہو جانا ——— کسے معلوم تھا کہ تقسیم کے معنی ہوں گے ملک کے دونوں حصوں کے درمیان ایک سد سکندری کا قائم ہو جانا جسے عبور کرنا دشوار ہی نہیں ایک مدت تک کے لیے ناممکن ہو جائے گا۔ پھر کثیر التعداد خریداران ایسے ہیں جن کے متعلق اب کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں۔

سیکڑوں پرچے ہیں جن پر خریداروں کے نام دفتر میں لکھے جاتے ہیں اور پھر وہ بطور امانت دفتر ہی میں رکھ لیے جاتے ہیں۔ جو پرچے ڈاک کے سپرد ہوتے ہیں اُن میں سے بہت سے واپس آ جاتے ہیں۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو راستے میں ضائع ہو جاتے ہیں یا ورنہ پہنچتے ہیں۔ نہ خریداروں تک پہنچتے ہیں۔ اس صورت حال میں نیا سال صرف امداد الٰہی پر بھروسا کر کے شروع کیا جاتا ہے امید ہے کہ جن کے تذکرہ و ماتم سے اس سال کی ابتدا کی جا رہی ہے۔ اُن کی برکت شامل حال ہوگی اور نام اسلام جن مقاصد کو لے کر جاری ہوا ہے انھیں کامیابی کے ساتھ پورا کرتا رہیگا۔

ہمارا محرم نمبر

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم "پیام اسلام" کے محرم نمبر کو اُس پیمانے پر پیش کر رہے ہیں جتنا اس کے شایان شان ہے۔

دماغی و قلبی تفکرات، اضطرابات اور زمانے کے حالات و مشکلات حوصلہ کو آخری حدود تک امکان کے پہونچنے میں سد راہ رہے پھر بھی اس کی کوشش کی گئی ہے کہ "یہ محرم نمبر" آپ کے سامنے ایک مثال کا تصور پیدا کر سکے جو اس موقع کے لیے مناسب ہے۔

عام طور پر جو محرم نمبر نکلا کرتے ہیں وہ واقعۂ کربلا کے متعلق پاشاں و پریشاں خیالات کا غیر مرتب مجموعہ ہوتے ہیں جن میں کوئی نظم و ترتیب نہیں ہوتا۔ نہ ان میں کوئی خاص افادیت مد نظر ہوتی ہے بلکہ چند گنی چنی باتیں ہوتی ہیں جنھیں متعدد مضمون نگار کچھ الفاظ اور اسلوب بیان کی تبدیلیوں کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں ان محرم نمبروں سے نہ ایک ناواقف دیکھنے والے کو واقعات کی ترتیب کا علم ہوتا ہے۔ اور نہ اب تک دنیا کا اندازہ ہو سکتا ہے حقیقت نگار افراد کو چونکہ مضامین میں کوئی ندرت محسوس نہیں ہوتی اس لیے ان کو صرف مضمون نگار کی شخصیت کے اعتبار سے پڑھتے ہیں۔ اور باقی مضامین کو نظر انداز کر دیتے ہیں چاہے اُن میں حقیقت میں کوئی مضمون پڑھنے کے قابل بھی ہو۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے محرم نمبروں میں مضامین کی نوعیت سے زیادہ پیش کرنے والوں کو صفحات کی تعداد کا پورا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ نہ اپنے ناظرین کو کوئی خاص فائدہ پہونچانا۔

ادارۂ "پیام اسلام" نے کوشش کی ہے کہ اس نقص کو دور کیا جائے محرم نمبر ایک غیر مرتب "کشکول" نہ ہو بلکہ مضامین ایک مسلسل و مرتب نظام کے ماتحت درج ہوں جو ناظرین کے ذہن کو تدریجی طور پر آغاز سے انجام تک پہونچنے میں مدد دیں۔ اس کے علاوہ اس کے مضامین میں صرف خانہ پری مقصود نہ ہو بلکہ ہر مضمون واقعۂ کربلا یا شہید کربلا کی شخصیت کے کسی خاص پہلو کا نمایاں کرنے والا ہو۔

کچھ خاص مضامین

پہلا مضمون "شہید کربلا کی زندگی کا کامل مرقع" ادارۂ تحریر کا مرتب کیا ہوا ہے۔ اس میں جو آیات قرآنی درج ہیں وہ یا تو وہ ہیں کہ جن کی تاویل احادیث میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ہوئی ہے۔ یا وہ جنھیں خود حضرت نے اپنے مطابق حال قرار دے کر اپنی زبان پر جاری فرمایا تھا یا وہ جن کے مصداق اتم کا حضرت کی ذات میں پایا جانا واقعات سے نمایاں طریقہ پر ثابت ہے۔ مولانا عینی شاہ صاحب نظامی کا مضمون "شہادت امام کی خبریں" محدثانہ وسعت نظر کا ترجمان ہے جس میں تمام تر جوامع و مسانید اہلسنت سے اس موضوع کے احادیث کو یکجا کیا گیا ہے

مولانا ابو الکلام آزاد کا "شہادت حسین" کی سرخی سے جو مقالہ درج ہے۔ وہ اُن کے خطبات سے ماخوذ ہے اور گرانقدر و بلند تصورات کا حامل ہے۔

وزیر اعظم ہندوستان پنڈت جواہر لال نہرو اور گورنر یوپی مسز سروجنی نائیڈو اور وزیر اعظم یوپی کے جو تاثرات درج کیے گئے ہیں وہ اُن کے متعدد پیغامات کا ایک مرتب مجموعہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے واقعہ کربلا کا غور کرنے والے دماغ اور اثر لینے والے دل کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور جس سے ہم یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ گزشتہ فرقہ وارانہ جذبات کے سیلاب میں ان چند شخصیتوں کے گفتار و کردار میں جو بلند نظری، ہمدردی، وسعت خیال اور فراخ حوصلہ نمایاں رہا ہے اُس کا سرچشمہ کیا ہے۔

جناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ کا پرزور مقالہ دور حاضر کے پُر آشوب حالات میں اہم رہنمائی پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (جامعہ ملیہ) کا مقالہ نہایت پُر مغز ہونے کے ساتھ خلوص کے جوہر کا حامل اور ڈاکٹر وحید مرزا صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی) کا مقالہ تمہید کے طولانی ہونے کے باوجود نتیجہ کے اعتبار سے کامیاب ہے۔ اور جناب محمد صادق حسین صاحب بی اے (علیگ) کا مضمون کاوش مطالعہ کا آئینہ بردار۔

یہاں تک وہ مضامین ہیں جو واقعۂ کربلا کی مجموعی حیثیت پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد سے علامہ ڈاکٹر مجتبیٰ حسن صاحب کاموں پوری کے گرانقدر مضمون

حسین کا پہلا قدم" سے واقعاتی مقالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن سے بحیثیت مجموعی اجمالی طور پر اقدامات حسینی کی کسی حد تک ترتیب ناظرین کے سامنے آجاتی ہے۔

اس ذیل میں مولانا سید کاظم صاحب نقوی کا مضمون اپنے اسلوب بیان اور حسن تعبیر کے ساتھ مغز کلام کے اعتبار سے ایک معیاری حیثیت رکھتا ہے جو موصوف کے سن و سال کو دیکھتے ہوئے اکثر اشخاص کے لیے حیرت انگیز ہونا چاہیئے۔

آخر میں واقعۂ کربلا کے نتائج اور اس کی یادگار کے متعلق مقالات درج کیے گئے ہیں جن میں سرکار سید الفقہا مولانا مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ دام ظلہ العالی کا متبرک عطیہ جو غالباً اس نمبر کے خصوصیات میں سے ہے انتہائی قدر و عزت کا مستحق ہے۔

"عزائے حسین تاریخ کی روشنی میں" سرکار سید العلماء دام ظلہ کے ان گرانقدر غیر شائع شدہ بیانات کا ایک حصہ ہے جو دس روز تک مسلسل اس موضوع پر مدرسۃ الواعظین میں ہوئے تھے اور وہ بیش بہا تاریخی اور مذہبی معلومات و نکات پر مشتمل ہیں۔

یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ اس نمبر کی ترتیب مثل دیگر اخبارات کے مضمون نگاران کی شخصیت کے لحاظ سے قرار نہیں دی گئی ہے ۔ بلکہ نوعیت مضمون اور اس کے موضوع کی ترتیب کے لحاظ سے قرار دی گئی ہے تاکہ پورا پرچہ دیکھنے والے کے دماغ کو مسلسل واقعۂ کربلا کے آغاز سے انجام تک منتقل ہونے میں مدد دے۔

نظموں کے متعلق!

ہماری قوم میں شاعری کا ذوق عام ہے شاعری میں بجائے خود بڑی وقت ہے چہ جائے کہ ایسا موضوع جہاں خود حقیقت کے حدود شاعری کی سرحدوں سے آگے ہوں اُن میں شاعر کے لیے وقت ہی کیا پیدا ہو سکتی ہے ۔ نتیجہ یہ ہے کہ واقعۂ کربلا پر نظم میں اتنا کہا گیا ہے جتنا غالباً نہیں بلکہ یقیناً کسی دوسرے موضوع پر آج تک نہیں کہا گیا۔

آج بھی ہر سال اس موضوع پر اتنا جدید ادبی ذخیرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جتنا کسی دوسرے موضوع پر کئی سال میں فراہم نہیں ہوا کرتا۔

مگر اس وسعت کا ایک نتیجہ شعراء کے لیے ایک قسم کی دقت بھی ہے اور وہ یہ کہ کسی نتیجۂ فکر میں "ندرت" پیدا کرنا ایک مشکل کام ہو گیا ہے ۔ اس محرم نمبر میں ایسی نظمیں درج کی گئی ہیں ۔ جن کے متعلق بلا استثناء یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ندرت و خصوصیت کی حامل ہیں۔

ان میں سے بعض شعراء ایسے بلند پایہ اور مشہور روزگار ہیں جن کی شخصیت ہی ان کے کلام کی ندرت کی ضامن ہے ۔ جیسے جناب مانی جائسی ۔ جعفر علی خاں اثر ۔ سید نواب صاحب افسر ۔ راز صاحب اجتہادی ۔ اختر تلہری ۔ کیفی اعظمی وغیرہ اور پھر خصوصیت سے شاعر اہلبیت جناب نجم آفندی مدظلہ جنہوں نے ماتم سید الشہداء میں ایک نئے جادہ کے اضافہ کا مستقل فخر حاصل کیا ہے جن میں وہ نت نئے تنوعات پیدا کرتے رہتے ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ کامیاب

لیکن جس نظم کی طرف خصوصیت سے ناظرین کی توجہ مبذول کرانا ضروری ہے وہ صفحہ ۵۰ پر "صبر و شکر" کے زیر عنوان جناب محمد میرزا صاحب نواسیتاپوری کا خمسہ ہے جو اپنے اختصار کے باوجود اپنی ٹھوس واقعیت کے ساتھ ایک ایسے اثر اور پھر ندرت کا حامل ہے جسے شاعر کے لیے مخصوص "عطیۂ ربانی" ہی کہا جا سکتا ہے۔

اس دور میں جب کہ "اردو" فرقہ وارانہ تعصبات کا شکار بن گئی ہے اور دلوں کے ساتھ زبانیں بھی الگ ہو رہی ہیں

منشی بابو رام صاحب شریف ایڈوکیٹ فرخ آباد کی نظم "انبوہ مصائب" (صفحہ ۴۲) ایک مثالی اور معیاری حیثیت رکھتی ہے جسے اخبار "سلطان" فتح گڑھ سے اخذ کر کے اس نمبر میں درج کرنا مناسب سمجھا گیا ہے۔

معذرت

اخبار کے اتنی صفحات کی کوتاہی دامن نے بہت سے ایسے مضامین اور نظموں کو جن کی تمنا جتنا تھا ، ہو گئی نظر انداز کر لینے پر مجبور کیا جس کے لیے ہم ان مقالہ نگاران اور شعراء سے معذرت خواہ ہیں ۔ جہاں تک ممکن ہوگا ان میں سے خاص خاص مضامین اور نظموں کو ایام عزا کے دیگر پرچوں میں جو "پیام اسلام" کی عام اشاعت کے ذیل میں نکلیں گے درج کرنے کے لیے جگہ نکالی جائے گی۔

ہفتہ کی اہم خبریں

جوناگڑھ پر ہندوستانی فوجوں نے قبضہ کر لیا ہے ۔ مگر پاکستان اُسے تسلیم نہیں کرتا۔

کشمیر میں ہندوستانی فوجیں اب حملہ آوروں کو نکالنے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔

ڈیلی ٹیلیگراف کے نامہ نگار نے خبر دی ہے کہ کشمیر میں لڑنے والے قبائلیوں کو افغانستان اور درۂ خیبر کے ذریعہ اسلحہ بھیجے جا رہے ہیں اُن میں سے بعض اسلحہ روسی ہیں۔

ایک اندوہناک حادثہ

مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ جونپور کے بلند پایہ عالم ۔ وثیقہ اسکول فیض آباد کے سابق معلم اعلیٰ اور عربی ادب کے مشہور ماہر اور ہندوستانی ادبا میں خالص عربی طرز کے بہترین شاعر تھے۔

ایک مدت دراز سے موصوف دماغی عوارض میں مبتلا ہونے کی وجہ علمی و ادبی دنیا سے الگ تھے اور اب ظاہری طور پر اس دنیا سے آب و گل سے بھی رخصت ہو گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سہارنپور کے فتنہ و فساد سے متاثر ہو کر یو۔پی اسمبلی کے ایک معزز ممبر مہابیر تیاگی ایم ایل اے نے اپنے کو پولیس میں بھرتی کرا دیا ہے وہ پانچ سو آزمودہ کانگریسیوں کے ساتھ سہارنپور [illegible]

مجاہد کربلا

از لسان العصر جناب عزیز مرحوم

شمع کاشانۂ دیں، رونق بزم ابرار — قرۃ العین نبی، بحر کرم، کوہ وقار
مرد میدانِ شجاعت، اسد بیشۂ رزم — سرور سرخ قبا، بادشہ عرش مدار
سرمۂ چشم ملائک ہے تری راہ کی گرد — سودۂ لعل بدخشاں ترے قدموں کا غبار
حب دیں، حب وطن ہم میں بڑھے گا جتنا — اُس قدر قدر تری اور کریں گے دیندار
روکنا خون کی دھاروں پہ بہت مشکل تھا — قلعۂ محکم اسلام کی گرتی دیوار
ہے شہادت تری تمہید حیات قومی — ہے مصیبت تری عقبیٰ میں مسرت آثار
ایک مظلوم کی تربت پہ ہے دنیا کا ہجوم — بادشاہان اولوالعزم کے ویران مزار
ہوتا جائے گا جہاں تک یہ زمانہ بیدار — بڑھتا جائے گا تری ہمت و جرأت کا وقار
جانِ تکبیر ترے نعرۂ تکبیر کا شور — روح اسلام تری تیغ دودم کی جھنکار
ورق اُلٹے کوئی تاریخ دو عالم کے اگر — ایسی تصویر کا ملنا ہے نہایت دشوار

محسن امت احمد تری ہمت کے فدا
عیشی ملت بیضا ترے قدموں کے نثار

سیپارۂ دل

انز آثار خطیب آل محمد شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ

آبروئے دیدہ ہائے پُرنم استی یا حسینؑ
زینتِ ایوانِ عرشِ اعظم استی یا حسینؑ

قرۃ العینِ رسولِ اکرم استی یا حسینؑ
قوتِ بازوی مقتولِ سم استی یا حسینؑ

چوں گُلِ تر ساختی روی شہادت گاہ را
آب دادی از عطش دینِ رسول اللہؐ را

سرورم بالا تر از عرشِ الٰہی جای تست
بر سرِ مہرِ نبوت نقشِ پاکِ پای تست

از عروجِ منکبِ احمدؐ کہ آں سیمای تست
من ہمی دانم کہ زلفِ او شبِ اسرای تست

زابروانش بعد نبود قرۃ العینین را
فضلِ تو پیمود حدِّ فاصلِ قوسین را

آسمانِ نہ طبق در سایۂ دامانِ تست
مطلعِ پُر نورِ والفجر از برای شانِ تست

خامہ در دستِ قضا ز آتشِ فرمانِ تست
انبیا را آنچہ ممکن نیست در امکانِ تست

جنبشِ مہدت بود تسبیح میکائیل را
میکشی از سدرہ بر یثرب ہمی جبریل را

التجائے سائل

ترجمۂ سیپارۂ دل (فارسی)

از سر آمد شعراء مولوی سید کلب احمد صاحب مانی جائسی دام ظلہ

آپ سے ہے آبروئے دیدۂ نم یا حسینؑ
آپ سے ہے زینتِ عرشِ معظم یا حسینؑ

آپ نورِ چشمِ سلطانِ دو عالم یا حسینؑ
آپ ہیں بازوئے شاہِ کشتۂ سم یا حسینؑ

مثلِ گُل رنگیں کیا روئے شہادت گاہ کو
سینچا اپنی پیاس سے دینِ رسول اللہؐ کو

میرے مولا عرش سے برتر ہے منزل آپ کی
آپ کے پائے مبارک تھے سرِ دوشِ نبیؐ

اس بلندی میں تھی روشن آیتِ شانِ جلی
زلفِ مرسل آپ کی معراج کی شب بن گئی

ابروؤں سے فصل ہی کیا قرۃ العینین کا
فضلِ شہ نے طے کیا یوں فاصلہ قوسین کا

گردشِ نُہ چرخ ظلِ دامنِ احسان میں
مطلعِ ضو بارِ والفجر آپ ہی کی شان میں

کلکِ قدرت کے اوامر آپ کے فرمان میں
جس سے عاجز انبیاء وہ آپ کے امکان میں

جنبشِ مہد آپ کی تسبیح میکائیل ہے
جذبِ خدمت یہ کہ یثرب منزلِ جبریل ہے

ذرۂ خاکت بلند از مقطعِ نورِ نگاہ
سبحہ خوانانِ فلک را باز مینت رسم وراہ
سر فروشانِ رہِ حق را درِ تو خواب گاہ
انبیا در طوفِ قبرت خواستگارِ عز و جاہ
موسئِ عمران کہ از وے طور گوید سرگزشت
چوں درت را یافت از وادیّ ایمن درگزشت
در مثالِ روی تو یوسف نیاید در شمار
فرق دارد ہر دو شانِ تاج بخش و تاجدار
کس ندیدو نے شنید ایں بزم در کنعاں دیار
شاہ اندر مہد در خواب و ملک خدمتگزار
ہیچ کارے در شرف از خدمتش افزوں نبود
از زمین میبرد چیزے را کہ در گردوں نبود
جانِ زہرا و نبیؐ ہم قرۃ العینین اوست
ہم عصای پیریش ہم زینتِ کونین اوست
اتحادِ لحم و دم ہمچون علیؑ ما بین اوست
گوہرِ مرجاں لقب از مجمع البحرین اوست
دُرِ دُرجِ سر بہر اظہارِ جلالش در شگافت
روز مضمارِ تسابق کبریا گوہر شگافت
نقشِ مدحت بیش از نقشِ یمِ پایاب دہر
انتشار آرد ز جمعش مجمعِ ارباب دہر
اشک خوں ریزند در تمجید تو اصحاب دہر
آئینہ دارِ رُخِ تو دیدۂ پُر آب دہر
ایں گہر بارِ آیتِ پُر نور در دینم بس است
انچہ می شنوم نگویم انچہ می بینم بس است

ذرۂ در کی بلندی تک کہاں پہونچے نگاہ
قدسیوں کو آستانِ پاک سے ہے رسم وراہ
آپ کا در سر فروشِ راہ حق کی خوابگاہ
طوف مرقد میں بنی ہیں خواستگار عز و جاہ
طور پر سنتے تھے موسیٰ ذکر اکثر آپ کا
وادیٔ ایمن کو چھوڑا، پایا جب در آپ کا
آپ کے آگے ہے شانِ یوسفی کا کیا شمار
آپ ہیں بخشندۂ تاج، اور یوسف تاجدار
ایسی بزم نور کب رکھتا ہے کنعاں کا دیار
شاہ محوِ خواب جھولے میں، ملک خدمت گزار
اس شرف سے کوئی امر اُن کے لئے بڑھکر نہ تھا
وہ زمیں سے لے کے جاتے تھے جو گردوں پر نہ تھا
جان زہرا و نبی نورِ دو عین مصطفیٰ
زینت کونین مرسل، اُنکی پیری کا عصا
اتحادِ لحم و دم مثل علیؑ مرتضیٰ
مجمع البحرین عصمت سے لقب مرجاں ملا
خوش خلقی کے باب میں اجلال کے جوہر کھلے
وہ ہوا حکم خدا سے دُرِ شرف کے دَر کھلے
مدح کیونکر ہو رقم، کم ہے یمِ پایاب دہر
وصف سے عاجز ہے مولا مجمع ارباب دہر
اشک ریزاں آپ کی تمجید میں اصحاب دہر
آپ کا آئینۂ رُخ دیدۂ پُر آبِ دہر
یہ بیانِ بے زباں کافی ہے میرے واسطے
آیتِ گوہر فشاں کافی ہے میرے واسطے

کہ تواں پرورد ایں گل را خیابانِ بہشت
دامنِ ختم الرسل بہتر ز دامانِ بہشت
بود نورش مایہ دارِ سازوسامانِ بہشت
سرورِ دنیا و سردارِ جوانانِ بہشت

آں رفیع ایواں کہ ناید مہر تا دیوارِ او
می دمد صبحش ز انوارِ تجلّے بارِ او

دفترِ مدحت ز دلہائے ملک دارد ورق
خوانِ جودت را ز تدویرِ فلک شاید طبق
یادِ تو دارد سپہر از غازۂ روئے شفق
رنگِ خونت می جہد تا حشر از تصویرِ حق

جاں تنِ بیجان تو در دینِ رب انداختہ
کیست کو حق را شناسید و ترا نشناختہ

تاج میداری و بر فرقِ امامت افسری
آنچہ بالا می نماید تو از آں بالاتری
کیست دیہیم امارت چیست تاجِ سروری
اوج دارد زیر پایت زینۂ پیغمبری

دست چوں بر دوشِ مرسل خالقِ یکتا نہد
کیست کو اندر جہاں بر صدرِ احمدؐ پا نہد

اندراں تیرہ شبے کز ماہ تنویرے نداشت
غیر چرخِ آبنوسی ابر تفسیرے نداشت
خواب چشمِ دہر غیر از خواب تعبیرے نداشت
در سوادش ابتسامِ برق تاثیرے نداشت

راہ گم کردہ زنشانِ رہبری اعلام کرد
تا رسولؐ آید بآغوشش ملک آرام کرد

پرورش کیا کر سکے اُس گل کو بستانِ بہشت
دامنِ مرسل کو کیا پہونچے گا دامانِ بہشت
نور اُس کا مایہ دارِ سازوسامانِ بہشت
شاہِ عالم ہے وہ سردارِ جوانانِ بہشت

نیّرِ اعظم نہ پہونچا قصر کی دیوار تک
بہرہ مند اُس نور سے ہیں صبح کے انوار تک

دل ملک کے دفترِ توصیفِ حضرت کے ورق
دورِ گردوں آپ کے خوانِ کرم کا اک طبق
بن گئی یاد آپ کی افلاک کے رُخ پر شفق
حشر تک اک منظرِ خونیں ہے یہ تصویرِ حق

جسم بے جاں آپ کا جانِ تنِ ایمان و دین
عارفِ حق ہی نہیں جو آپ کا عارف نہیں

تاجِ در ہیں اور سرِ تاجِ امامت آپ ہیں
پست ہے ہر عزت ایسے اہلِ عزت آپ ہیں
تخت کیا بخشندۂ تختِ امارت آپ ہیں
زینۂ پیغمبری کی شان و رفعت آپ ہیں

جس نبی کے دوش پر رکھے خدا دستِ کرم
کس میں طاقت تھی کہ رکھتا اس کے سینہ پر قدم

وہ اندھیری شب اُجالا نام کو جس میں نہ تھا
چرخ پر اک آبنوسی ابر تھا چھایا ہوا
ہر طرف عالم میں سنّاٹا تھا گہری نیند کا
برق کے ہنسنے کا ظلمت میں نہ تھا کچھ فائدہ

راہ بھولا پھر بھی کارِ رہبری ہوتا رہا
حد کے آنے تک ملک کی گود میں سوتا رہا

از جمالت راه یابد دیدهٔ دنیا پسند
روشن از خاکِ مزارت بینشِ عقبیٰ پسند
بر شد از شوقِ نثارت گوہرِ دریا پسند
بہرِ تو در مسجد آمد آہوے صحرا پسند
پارهٔ دل داد و از خوشنودیش خلعت گرفت
وحشیِ تکلیف دشمن انس با طاعت گرفت

بزره ایمان و دیں گامش چو گامِ مصطفےٰ
از نگینِ دستِ او تابید نامِ مصطفےٰ
نورِ دہرا فروز ایزد و شمعِ شامِ مصطفےٰ
گو نمیش بر دوش او را مہر بامِ مصطفےٰ
او چنیں بوده است امّا از پے رفعِ حجاب
بارہا ایں صبح سر میزد ز جیبِ آفتاب

سرورِ دیں اوّلیں سردارِ بے فوج و لوا
دومی فرزند زہرا سومی فرماں روا
در عدد مقتول رابع گشت بعد مجتبیٰ
شش جہت قربان تو اے خامسِ آلِ عبا
ہفت قلزم قطرهٔ از دستِ جود آرائے تو
ہشت جنت پرتوِ نورِ وجود آرائے تو

منزلِ "یوفون بالنذر" و شریکِ "ہل اتیٰ"
وارثِ تاجِ ولایت حصه دارِ "انما"
مقصدِ "سبط من الاسباط"، مصباح الہدیٰ
رکنِ پنجم در جہانِ قصرِ "یرید اللہ" ما
در کتابِ حق که ایں آوازهٔ مدحت از وست
شعبهٔ از شعبہائے خمسهٔ عصمت از وست

نورِ اقدس راہ نمائے دیدۂ دنیا پسند
خاکِ تربت سے ہے روشن بینشِ عقبیٰ پسند
صدقے ہونے کو مہیا گوہرِ دریا پسند
آپ نے مسجد میں پایا آہوئے صحرا پسند
تحفۂ دل دے کر رضا کو آپ کی حاصل کیا
حق نے وحشی کو بھی طاعت کی طرف مائل کیا

راہِ ایماں پر قدم ہیں مثلِ گامِ مصطفےٰ
اور نگینِ دست سے چمکا ہے نامِ مصطفےٰ
نورِ دہرا فروزِ ایزد، شمعِ شامِ مصطفےٰ
دوشِ احمد پر ہیں گویا مہرِ بامِ مصطفےٰ
شان تھی اُن کی یہی لیکن پے رفعِ حجاب
بارہا اس صبح کا مطلع تھا جیبِ آفتاب

سرورِ دیں اولیں سردارِ بے فوج و لوا
دومیں فرزند زہرا سومیں فرماں روا
آپ ہیں چوتھے شہید اے شاہ بعد مجتبیٰ
شش جہت قربان ہوں اے خامسِ آلِ عبا
ہفت قلزم ایک قطرہ دستِ جود آرا کا ہے
ہشت جنت پرتوِ اک نورِ وجود آرا کا ہے

منزلِ "یوفون بالنذر" و شریکِ "ہل اتیٰ"
وارثِ تاجِ ولایت حصہ دارِ "انما"
مقصدِ "سبط من الاسباط"، مصباح الہدیٰ
پانچواں رکن رکینِ قصرِ "یرید اللہ" کا
دامنِ قرآں میں اُس کی مدح کی سوغات ہے
ایک شعبہ خمسۂ عصمت کا اس کی ذات ہے

از تو پیدا شد صلاحِ عالمِ کون و فساد
سر فگندہ بر درت انسان و حیوان و جماد

شانِ والایت نرفت از دیدۂ گردوں بیاد
دست بر عرشِ شریعت پا بمیدانِ جہاد

پا نجنبید از مقامش تا بتن سر داشتی
از فرس افتادی و این آسماں برداشتی

حضرتِ ایزد ز تو بر اہلِ دیں انعام کرد
کارِ استحکامِ ملت را بتو اتمام کرد

از تو ہم آغاز و ہم آرائش انجام کرد
پرتوے از نورِ تو بگرفت و جنت نام کرد

بے مہ و خورشید صحنش را بنور افروختہ
با شعاعِ تو چہ کار آید چراغِ سوختہ

زور استعداد او در اوّلِ فطرت مبیں
منع کرد او را نبی از شیرِ عصمت آفریں

فاطمہؑ کو بود بالا بر نسار العالمیں
مشرق ایں مہرِ تاباں مطلع ایں ماہِ دیں

کے ز حکمِ رحمۃ للعالمیں سر تافتہ
ایں شعاعِ نور را از روئے او برتافتہ

شاخِ عصمت داشت از بارانِ رحمت دو ثمر
نام آنہا از زبانِ وحی شبیرؑ و شبرؑ

آں نہال سبز شد از شیرِ مادر بارور
ایں دُرِ یاقوت پیکر از لبِ خیر البشر

فرقِ شیر و آب کامش بلغیدنم کہ چیست
من ہمی دانم امامت را کہ در نسلش بزیست

آپ کے دم سے صلاحِ عالمِ کون و فساد
آستاں پر خم سرِ انساں و حیواں و جماد

چشمِ گردوں نے نہ دیکھی کوئی شان اس سے زیاد
ہاتھ عرشِ شرع پر زیرِ قدم راہِ جہاد

آپ تھے ثابت قدم جب تک بدن پر سر رہا
گر گئے گھوڑے سے اور یہ عرش ہاتھوں پر رہا

نعمتِ خالق ہیں آپ اربابِ ایماں کے لئے
کارِ استحکامِ ملت آپ سے ہوتے رہے

ابتدا و انتہا ہے آپ ہی کی ذات سے
خلد کے گلزار کیا پرتو ہیں نورِ پاک کے

آپ کا جلوہ جناں کو جب ضیائے عام دے
مہرِ گردوں کا چراغِ سوختہ کیا کام دے

روزِ پیدائش سے استعداد میں قوت یہ تھی
شیرِ عصمت آفریں سے جب ہوئے مانع نبیؐ

فاطمہؑ جس کو زنانِ دہر پر بھی برتری
مشرق و مطلع جو اس مہر و مہ دیں کا بنی

منہ نہ موڑا اُس نے فرمانِ شہِ لولاک سے
اس شعاعِ نور کو روکا دہانِ پاک سے

شاخِ عصمت کو ملے فضلِ خدا سے دو ثمر
نام جن کے وحی نے رکھے تھے شبیرؑ و شبرؑ

شیرِ مادر سے ہوا وہ سبز پودا بارور
چوسے اس یاقوت پیکر نے لبِ خیر البشر

شیر اور شیرینیٔ لب کا تفاوت کھل گیا
پڑ گئی نسلِ حسینؑ میں امامت کی بنا

مصطفیٰ در سجدہ سر میداشت باعجز و نیاز
از خطور غیر حق پرداخت دل را بزم ناز
با خضوعش نازہا می کرد ارکان نماز
تا بہ پشتش پا نہاد آں تاجدار سرفراز
در دل خود جز رضائے خالق اکبر نداشت
طول داد اندر سجود و از خطر سر بر نداشت
صوتِ حلحل کم نبود آں دم ز بانگ حیعلات
امتداد سے یافت از آواز او تسبیح ذات
طولِ عمرش از خدا میخواست ارکانِ صلوٰت
بر سر جودی اقامت داشت کشتی نجات
ہیم رنجش کرد و با قرآں برابر داشتہ
چوں فرود آمد رسولؐ از سجدہ سر بر داشتہ
ایں فرازست و وقتِ کامرانی یا حسینؑ
از نشیب کربلا محفوظ مانی یا حسینؑ
جسم ختم المرسلیں را روح و جانی یا حسینؑ
در حیاتش رنج افتادن نہ دانی یا حسینؑ
تا بچشم خود نظر دارد نگہدارد ترا
مصطفیٰ را روز عاشورا کہ بناید ترا
کس ہمی گوید ز خون بالین و بستر داشتی
تو کہ بہرِ خواب گہ صدر پیمبر داشتی
تشنہ لب ماندی و اندر دست کوثر داشتی
ایں چہ شد بر بوسہ گاہش آب خنجر داشتی
دور باد آں دم فلک را بہ زمیں انداختند
اہل دعوت میہماں را ایں چنیں نداختند

مصطفیٰ کا سر تھا سجدے میں بصد عجز و نیاز
ما سوی المعبود سے خالی تھی دل کی بزم راز
ناز کرتے تھے خضوعِ شہ پہ ارکانِ نماز
پیٹھ پر ناگاہ آ بیٹھے حسینؑ سرفراز
جز رضائے حق نبیؐ کو کچھ نہ تھا مد نظر
طول طاعت کو دیا رکھے رہے سجدے میں سر
بن گئی آوازِ حلحل رشکِ بانگِ حیعلات
امتداد اُسکے سبب سے پا گئی تسبیح ذات
چاہتے تھے طولِ عمرِ شاہ ارکانِ صلوٰت
پشت پر تھے آپ، یا جودی پہ کشتی نجات
جان کر قرآں نہ پاس غم سے پیغمبر اُٹھا
پیٹھ سے جب آپ اُترے تب نبیؐ کا سر اُٹھا
کتنے اونچے اور کیسے کامراں تھے یا حسینؑ
کاش بچ جاتے نشیب کربلا سے یا حسینؑ
آپ جان و دل تھے ختم الانبیاء کے یا حسینؑ
اُن کے ہوتے کس کی طاقت تھی کہ دکھ دے یا حسینؑ
جانتے تھے فرض جیتے جی بچانا آپ کا
حال شاید روز عاشورا نہ جانا آپ کا
خوں سے تھا بالین و بستر آپ کا مشہور ہے
آپ کی جا تو نبیؐ کا سینۂ پر نور ہے
مالکِ کوثر ہیں آپ اور پیاس بھی مذکور ہے
بوسہ گاہ شاہ و تیغ ظالم مقہور ہے
اے معاذ اللہ گرا یا آسماں کو خاک پر
اہل دعوت کا یہ ظلم اک میہماں پاک پر

من نبودم تا سر خود را بپایت افگنم
بر زمین گرم جسم را بجایت افگنم
حملہ اندر سپاہ شر برایت افگنم
خونِ دل را بر در دولت سرایت افگنم
آں زمانِ امتحاں را از کجا آرم کنوں
نالۂ "یالیتنی کنتُ معک" دارم کنوں
ستغیث کربلا من از تو میدارم جواب
ایں خموشی از جہان و از تو تعمیم خطاب
روح عالم فدیۂ تو اے شہ عالیجناب
غیرِ ذات کبریا از کس نمی شنوی جواب
ہر دو عالم در کفِ تو کس نمی باید ترا
سیدی لبیکِ من اینک چہ کار آید ترا
بر تو گریم تا توانم بلکہ تا جانم بود
بلکہ تا شامِ مزار و صبحِ اکفانم بود
بلکہ تا آں دم کہ صبحِ حشر مہمانم بود
بلکہ تا صہبائے کوثر بر سرِ خوانم بود
تا بخندد گل بہ گلشن چشم گریاں زندہ باد
ایں چراغ بزم تا شام ابد رخشندہ باد
ایں مرض از گریۂ و غم باز میدارد شہا
ہم بدردم روزگارم سازمی دارد شہا
شیشۂ دل از شکست آواز می دارد شہا
قلب با اخلاص با تو ناز می دارد شہا
آنچہ دہر از من گرفت از قدرتِ حق باز دہ
ہمچو فطرس بندہ ات را ہم پر پرواز دہ

کاش میں ہوتا کہ رکھتا آپ کے قدموں پہ سر
آپ کی جا اپنا تن رکھتا زمیں گرم پر
حملہ وہ کرتا کہ ہوتی فوج کیں زیر و زبر
اور بہاتا عتبۂ عالی پہ میں خونِ جگر
آہ اب لاؤں کہاں سے وہ زمانِ امتحاں
ہے مگر یالیتنی کنتُ معک وردِ زباں
ستغیث کربلا ہے آپ سے مجھ کو جواب
یہ سکوت کائنات اور ایسی تعمیم خطاب
روح عالم آپ پر قرباں شہ عالیجناب
غیر ذاتِ کبریا کوئی نہیں دیتا جواب
دونوں عالم آپ کے ہیں کس کی پروا آپ کو
اب مری لبیک سے کیا نفع شاہا آپ کو
آپ پر روتا رہوں جب تک بدن میں جاں رہے
بلکہ مولا قبر میں رونے کا بھی ارماں رہے
بلکہ اُس دم تک کہ محشر کی سحر مہماں رہے
بلکہ جب تک جامِ کوثر زیبِ دسترخواں رہے
گل ہیں جب تک خندہ زن اے چشمِ گریاں زندہ باش
اے چراغ بزم تا شام ابد رخشندہ باش
گریۂ و غم سے ہے مانع یہ مرض اے شاہ دیں
درد میں ہے دورِ قسمت کار فرما بالیقیں
کب شکست شیشۂ دل کی صدا آتی نہیں
آپ پر ہے ناز اے مولائے افلاک و زمیں
حق سے میری گم شدہ نعمت مجھے دلوائیے
پر دیے فطرس کو اب صحت مجھے دلوائیے

انچه از جود تو معلوم است پایانش کجاست
بذل تو مرقوم اگر حصر احسانش کجاست

من فقیر بے نوایم ساز و سامانش کجاست
ناتوانے بر درت افتادہ درمانش کجاست

آرزو بخش جہان چشم امید من ببین
ابر گوہر بار رحمت این تہی دامن ببین

استعانت از تو جویم در حیات فانیہ
ہم ز تو خواہم جنان و ہم قطوف دانیہ

بنگر این طول مرض اے رحمت ربانیہ
آخر ذیقعدہ از ماہ جمادی الثانیہ

چوں تو مولے دارم و در دل گرہ دارم ہنوز
مدتے بگزشت و چشم خود برہ دارم ہنوز

کشتیم بشکست اے نوح غریباں العجل
مور تو پامال گردید اے سلیماں العجل

تار شد شام دلم اے مہر تاباں العجل
ز ہجر خونم ریخت ای شاہ شہیداں العجل ذہجر

گرچہ من در ہند و تو در کربلا ہستی مقیم
فصل نبود در میان سائل و دست کریم

آپ کی بخشش جو ہے معلوم اُس کی حد نہیں
بذل ہے مرقوم لیکن حصر احسان کہیں؟

میں فقیر بے سر و ساماں ہوں یا سلطانِ دیں
در پہ ہوں درماں طلب اے جانِ ختم المرسلیں

لو لگی ہے آپ سے میری طرف تو دیکھیے
ابر رحمت میرے دامانِ تہی کو دیکھیے

آپ سے اب ہے اعانت جو حیاتِ فانیہ
روزِ محشر دیجیے خلد اور قطوف دانیہ

دیکھیے طولِ مرض اے رحمت ربانیہ
آخر شعبان از ماہ جمادی الثانیہ

آپ سا مولا ہے اور باقی ہے دردِ دل ہنوز
اتنی مدت اور میں در پر افتادہ ساحل ہنوز

ناؤ ہے منجدھار میں نوح غریباں العجل
مور ہے پامال اے فخر سلیماں العجل

تیرہ ہے شامِ حیات اے مہر تاباں العجل
خونِ دل ہوتا ہے اے شاہ شہیداں العجل

کربلا میں گو ہیں آپ اور ہند میں ہوں میں مقیم
فرق ہی کیا درمیان سائل و دستِ کریم

شہادتِ حسینؓ

از زعیم الہند ← مولانا ابوالکلام آزاد

(ماخوذ از خطبات ابوالکلام آزاد شائع کردہ ادبستان لاہور صفحہ [illegible] تا ۲۴۲)

شہا بردہ ام از صدق بخاک شہدا
تا دل و دیدۂ خونابہ فشانم دادند

برادران عزیز! آج جس حادثۂ کبریٰ اور شہادت عظمیٰ کے تذکار ودرس کے لیے ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ وقائع وحوادث اسلامیہ کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے۔ جو تاریخ اسلام کی اولین صدی سے لے کر اس وقت تک اپنے عجیب وغریب تاثر ماتم ودرد اور حیرت انگیز بقائے ذکر وتاثیر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تمام حوادث محزونۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔

اگر وہ تمام آنسو جمع کیے جائیں جو ۶۱ھ سے لے کر اس وقت تک اس واقعۂ جانسوز پر بہائے گئے ہیں۔ اگر وہ تمام درد وآہ وفغان یکجا کیا جا سکے۔ جو ان تیرہ صدیوں کی لاتعد ولاتحصیٰ اسلامی نسلوں کی صداہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے۔ اگر درد وکرب کی وہ تمام چیخیں، اضطراب والم کی وہ تمام پکاریں، سوزش وتپش کی وہ تمام بے قراریاں، اکٹھی کی جا سکیں جو اس حادثۂ کبریٰ کی یاد نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں؛ تو اے عزیزان ماتم شعار! کون کہہ سکتا ہے کہ خونفشانیہائے حسرت کا ایک نیا انقلاب تلاطم واد قیانوس سطح ارض پر بہہ نہ جائے گا۔ وہ آہ وفغاں کی ہزار ہا بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی اور درد والم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں، تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامۂ خونیں سے تمام عالم ایک شورزار نالہ نہ بن جائے گا۔

تاہم میں جو پیام پہونچانے کے لیے آج آیا ہوں، وہ اس تذکرہ سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم والم کی شدت وکثرت کے اعتراف کی تاریخ نہیں ہوں بلکہ اس عدیم النظیر شدت وکثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں، آہوں کی صدا ہوں، بے قراری کی پکار ہوں، اضطراب کی دعوت ہوں اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ وحرماں، کہ غم کے لیے بھوکا ہوں اور درد والم کے لیے یک قلم پیاسا ہوں۔ پس میں آج ان آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں، مجھے ان آنکھوں کا سراغ بتاؤ جو اب بھی رونے کے لیے نم آلود ہیں! میں ان دلوں کی سرگزشت نہیں سنتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہوں۔ میں ان دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں جو اب بھی تہ وبالا ہونے کے لیے مضطرب ہیں۔ مجھے ان زبانوں سے کیا سروکار جن کو فغاں سنجی ہائے ماضی کا ادعا ہے۔ آہ! میں تو ان زبانوں کے لیے پکار رہا ہوں جن کے اندر غم وماتم کی بھٹیاں سلگ رہی ہیں، اور ان کا دھواں آج بھی کائنات نشاط وشادمانی کی اس تمام فضا غفلت کو مکدر کر دے سکتا ہے۔ جس کو عیش وعشرت کے قہقہوں میں درد وحسرت کی ایک آہ بھی نصیب نہیں۔

ہاں یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنے والوں نے ماتم میں کمی نہ کی، آہ ونالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں، اور یہ سب کچھ اب تک اتنا ہو چکا ہے۔ جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔ تاہم تم یقین کرو۔ کہ باایں ہمہ اس حادثۂ عظیمہ کی دعوت اشک وحسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوت درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی، وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔ تیرہ صدیاں اپنے دوران محرم وعشرۂ ماتم کے اس پر گزر چکی ہیں۔ لیکن اب تک خاک کربلا کے وہ ذرات خوں آشام، جن کو آج بھی اگر نچوڑا جائے تو خون شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک سکتے ہیں، بدستور آنسوؤں کے لیے پکار رہے ہیں۔ خونفشانیوں کے لیے داعی ہیں، آہ وفغاں کے لیے تشنہ ہیں۔ اضطراب والتہاب کے لیے بے قرار ہیں اور دشت وبیابان ریگزار کربلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہ ہائے اشک افشاں، جگر ہائے سوختہ ودلہائے دونیم، اور زبانہائے ماتم سرا کے لیے اسی طرح چشم براہ ہے، جس طرح سنہ ۶۱ھ کی ایک قتل خیز دوپہر میں خون کی ندیوں کی روانی تڑپتی ہوئی لاشوں کے ہنگامۂ احتضار، اور ظلم ومظلومی، جرح ومجروحی، قتل ومقتولی کے ہنگامۂ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب اور فغاں فرمائے دعوت تھا۔

شدیم خاک ولیکن ببوئے تربت ما
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

یہ دعوت، یہ پکار، یہ طلب، یہ "ہل من مجیب" کی الحقیقت ان آنسوؤں کے لیے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے بہیں، وہ ان آہوں کا دھواں مانگتی ہے جن کی لپٹیں صرف منہ ہی سے نہیں بلکہ اعماق قلب سے اٹھیں۔ وہ صرف ہاتھوں ہی کے ماتم کے لیے نہیں پکارتی بلکہ دل کے ماتم کی محض ایک صدائے حقیقت کے لیے تشنہ ہے۔ اگر تمہارے پاس اس کے لیے آنکھوں کا آنسو نہ ہو تو اسے کوئی شکایت نہیں

لیکن آہ تمہاری غفلت، اگر تمہارے پہلوؤں میں کوئی زخم خود جسم سے بانی کی جگہ خون بہے، اگر تمہاری زبانوں کو درد کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن آہ یہ کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر حقیقت شناسی کی ایک ٹیس، عبرت کی ایک ٹیک، بصیرت کی ایک تڑپ، احساس صحیح دعوت کا ایک اضطراب بھی نہیں ہے، حالانکہ انسان کی ساری کائنات حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ان واقعات وحوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے۔ جن کے اندر قوم و ملک کے لیے کوئی غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی تھی، اور ہمیشہ ان انسانی بڑائیوں اور عظمتوں کی یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں، قومی روایتوں اور قومی مجمعوں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنا چاہا ہے۔ جن کے اندر خود اس قوم کی کوئی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے

لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس تذکار و یادگار کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا، یا کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں، تھا، بلکہ کچھ اور مقصد تھا۔ کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے کسی خاص نام، کسی خاص واقعہ، کسی خاص حادثہ میں کوئی ممتاز خصوصیت نہ تھی، پچھلوں کو اگر یاد ہی رکھنا ہے، تو اس کے لیے بڑا اور چھوٹا، ادنیٰ و اعلیٰ، نیک و بد، سب یکساں ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ کار ینجیو کے مشہور ہنی بال کو یاد رکھا جائے اور ٹیٹس کو یاد نہ رکھا جائے جو اسی عہد میں گزرا تھا؟ سو وہ اصلی حقیقت جو اجتماع انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے در اصل ناموں، وجودوں، شخصیتوں اور محض تذکرہ و یادآوری سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی کہ جو اعمال حسنہ، عزائم مہمہ، نتائج عظیمہ، اور بصائر و مواعظ جلیلہ اُن مشاہیر اور ناموروں کی زندگی سے وابستہ ہیں، اور جن کی یاد اور تذکرہ کے مواقع بہم پہونچائے جائیں۔ جن کی وجہ سے کبھی بھی آئندہ نسلیں ان اعمال حسنہ کے نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

پس یادگار در اصل انسانی افراد کی نہ تھی، بلکہ انسان کے بہترین اعمال کی تھی، اور تذکرہ و یادآوری شخصوں اور حادثوں کی نہ تھی، بلکہ ان سچائیوں کی تھی جو وہ اپنی زندگی کے اندر رکھتے تھے۔ خدا نے ذات کی بڑائی اور عظمت صرف اپنی ہی کبریائی کے لیے مخصوص کر لی ہے اور دنیا کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف عمل کی بڑائی ہے، دنیا میں کوئی انسان بڑا نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ بڑا صرف ایک ہی ہے، اور وہ فاطر السموٰت والارض ہے۔ البتہ "عمل" بڑا ہو سکتا ہے، اور اس کی بڑائی سے اس کے حامل کے اندر بھی نسبتی اور اضافی بڑائی آجاتی ہے۔

یہی حقیقت اصلیہ ہے جسے قرآن حکیم نے "اسوۂ حسنہ" کے جامع و مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے "اسوہ" کہتے ہیں کسی فکر، کسی عمل، کسی وصف کسی خاصہ کے ایک ایسے نمونے کو، جسے تم اس لیے اپنے سامنے رکھ لو کہ اس کی پیروی اور نقل کرو گے، اور اس کی سی باتیں اپنے اندر بھی پیدا کرنا چاہو گے۔ انسانی سعادت کے لیے تعلیم محض بالکل بے کار ہے، جب تک کہ اس تعلیم کے زندہ نمونے بھی انسانوں کے سامنے نہ ہوں، جو اثر طبیعت منفعلہ انسانیہ پر ایک انسانی نمونۂ عمل کا پڑتا ہے، وہ محض تعلیم کی سماعت سے نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ اخلاق کی کتابیں اپنی موثر تعلیمات سے انسانوں کو رُلا دے سکتی ہیں مگر اُن کے دلوں کو نہیں پھیر سکتیں۔ برخلاف اس کے اگر ایک پاک اور مزکیٰ انسان اپنی زندگی کے اندر نیکی کا عملی نمونہ رکھتا ہو، اور وہی اعمال حیات راستبازی کے لیے "اسوہ" کا حکم رکھتے ہوں تو وہ صرف اپنا نمونہ دکھلا کر نہ صرف افراد و اشخاص، بلکہ اقوام و امم کے اعمال کو یکسر ملیٹ دے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق اللہ کے لیے صرف کتابوں اور شریعتوں ہی کو نہیں بھیجا، بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کا کہ ان کے حامل تھے، عملی نمونہ بھی دکھلایا وہ جس دستور العمل کی طرف قوم کو بلاتے تھے اس کا عملی پیکر خود ان کی پاک و مطہر زندگی تھی۔ اگر شریعت بصورت قانون تختیوں اور کاغذوں پر منقوش تھی، تو بصورت وجود حی و قائم ان کی زندگی کے اندر بھی پڑھی جا سکتی تھی۔ اگر اس کی آیات بینات احرف و صوت کی شکل میں دنیا کو دعوت دیتی تھی تو انبیاء کرام کی زندگی عمل و فعل کے اندر سے اس کی تصویر دکھلا دیتی تھی۔ اگر قانون کہتا تھا کہ انسان کو ایسا کرنا چاہیے، تو حیات نبوت ثابت کر کے دکھلا دیتی تھی کہ اس طرح کیا گیا اور اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ سچ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے خوارج و منکرین کے مقابلہ میں فرمایا تھا کہ "میں قرآن ناطق ہوں"، تو میں اس کی تصدیق کے لیے طیار ہوں اگرچہ حقیقت ناشناس طبیعتیں سمجھتی ہیں کہ یہ بہت ہی بڑا دعویٰ تھا۔ یقیناً یہ بڑے سے بڑا دعویٰ تھا جو کوئی انسان کر سکتا ہے۔ لیکن اگر حضرت امیرؑ نے کہا تھا تو غلط نہ تھا۔ اگر اُن کی مقدس زندگی ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "اسوۂ حسنہ" کا ایک کامل عکس تھا، اور ان کے اعمال کی روشنی سراج منیر رسالت ہی سے ماخوذ تھی، تو کیوں انھیں یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے تئیں "قرآن ناطق" کہیں؟

جو کتاب الٰہی ما بین دفتین حروف و نقوش کی شکل میں تھی، اسکی ہستی ناطق تھی جو اعمال حضرت مرتضوی کے اندر سے پکار رہی تھی۔ کہ یہ علی ابن ابی طالب کی آواز ہے۔ لیکن ابوذر اور سلمان کی حقیقت شناسی جانتی تھی کہ یہ علی ابن ابی طالب کی آواز نہیں ہے بلکہ "القرآن الحکیم" کی صدائے الٰہی ہے۔ اور چونکہ "القرآن" کی آواز ہے

اس لیے خود منزل القرآن کی آواز ہے، "کنت سمعہ الذی یسمع بہ ، ولسانہ الذی یتکلم بہ" (بخاری)

دنیا میں اعمال مقدسہ وحسنہ کی یادگار قائم کرنے کا مقصد بھی یہی ہے "اسوۂ حسنہ" تھا یعنی جن لوگوں نے کسی پاک و اعلیٰ عمل کا بہترین نمونہ اپنی زندگی میں پیش کیا ہے، ان کی یاد کو ہمیشہ باقی رکھا جائے، تاکہ انکی یاد کے ساتھ ان کے اعمال کی یاد بھی تازہ ہوتی رہی، اور اس کا نمونہ انسان کو عزائم امور کی طرف دعوت دے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ خون آلود حرفوں میں لکھا گیا اور اشکبار آنکھوں سے پڑھا گیا ہے۔ لیکن اس دردانگیز واقعہ اور ماتم خیز حادثہ کے اندر شریعت اسلامیہ کی بے شمار بصیرتیں مضمر تھیں چاہیئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت کے اندر عزم واستقلال، صبر وثبات، استبداد شکنی، قیام جمہوریت، امر بالمعروف، ونہی عن المنکر کی جو عظیم الشان بصیرتیں موجود ہیں، ان کی یاد کو ہر وقت تازہ رکھیں، اور کم از کم سال میں ایک بار اس مذہبی قربانی کی روح کو تمام قوم میں ساری وجاری کردیں۔

لیکن ان بصیرتوں کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات میں ایک اور عظیم الشان بصیرت بھی موجود ہے، جس کا سلسلہ مذہب کی ابتدائی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور اس کی آخری کڑی اسلام کی تکمیل سے جاکر مل جاتی ہے۔

دنیا کی مذہبی تاریخ کی ابتدا عجیب بے کسی کی حالت میں ہوئی۔ ہم نے دنیا کے سخت سے سخت معرکوں میں باپ کو بیٹے کا شریک، بھائی کو بھائی کا حامی، بی بی کو شوہر کا مددگار پایا ہے۔ لیکن صرف مذہب ہی کا روحانی عالم ایک ایسا عالم ہے، جہاں باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے، شوہر کو بی بی نے، چھوڑ دیا ہے، بلکہ ان کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ خاندان نبوت ہمیشہ اعزہ واقارب کی اعانت سے محروم رہا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک شب وروز اپنی قوم کو دعوت توحید دی۔ لیکن اس پیغمبرانہ آواز کی صدائے بازگشت صرف ان کی قوم ہی کے در ودیوار سے ٹکراکر ناکامیاب واپس نہیں آئی، بلکہ خود ان کی گھر کے در ودیوار نے بھی اس کو ٹھوکر لگائی اور خاندان نبوت کے چشم وچراغ یعنی ان کے بیٹے نے بھی اس نور کو قبول نہ کیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کے تمام خاندان نے اگرچہ ان کا ساتھ دیا، لیکن خود ان کی بی بی ان سے علیٰحدہ ہوکر تمام قوم کے ساتھ عذاب الٰہی میں شامل ہوگئی۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے خاندان نبوت میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس جہاد روحانی کی طرف قدم بڑھایا اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے لخت جگر کو ایک "وادی غیر ذی زرع" میں ڈال دیا، جہاں کئی سو میل تک آب وگیاہ کا پتہ نہ تھا، یہ اسی سخت مہمات کی پہلی منزل تھی جس کے لیے خدا وند تعالیٰ نے حضرت سمعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا تھا۔ چنانچہ جب اس آخری امتحان کا وقت آیا تو انھوں نے باپ کے آگے سر تسلیم خم کردیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کے خاندان کی اعانت ورفاقت شریک رہی۔ لیکن اسلام کے زمانہ تک خدا کے راہ میں جو قربانیاں ہوئی تھیں، وہ محض شخصی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی انبیاء نے شخصی طور پر خدا کی ذات پر اپنی اولاد کو یا اپنے آپ کو قربان کردیا تھا۔ جہاد کی یہ ابتدا تھی، مگر اس کی تکمیل شریعت اسلام پر موقوف تھی چنانچہ اسلام نے جس طرح عقاید وعبادات اور معاش ومعاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی۔ اسی طرح جہاد کی حقیقت کو بھی مکمل اور واضح کردیا۔ اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ شخصی طور پر بھی جو قربانیاں کی گئیں، وہ راہ ہی میں رک لی گئیں۔ حضرت ابراہیم نے اپنے لخت جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا لیکن اس کا موقع ہی نہ آیا۔ حضرت عیسیٰ سولی کی طرف بڑھے لیکن بچائے گئے۔ آج تک تمام خاندان نبوت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت بھی نہیں کی تھی اور اس کی کوئی نظیر تمام سلسلۂ انبیاء میں نہیں نظر آتی تھی کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی ہی نے مقصد نبوت میں ساتھ نہ دیا ہو بلکہ بلا امتیاز خاندان نبوت کے اکثر اعضا وارکان راہ حق میں قربان ہوئے ہوں۔ اس لیے جب اسوۂ ابراہیمی کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندان نبوت کے زن و مرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش ابتک خالی تھی ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔

پس حضرت حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں۔ بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت سمعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا، اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو پہونچ کر گم ہوگئی تھی، اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کردیا۔

خاندان نبوت دنیا کے آباد کرنے کے لیے ہمیشہ اُجڑتا رہا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھر بار چھوڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آوارہ گردی کی، اور نبوت محمدی کے متبعین میں سے حضرت حسین علیہ السلام نے میدان کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کردیا۔

حضرت سمعیل علیہ السلام سے خاندان نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے۔ انھوں نے ایک "وادی غیر ذی زرع" میں شدت تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے بھی میدان کربلا میں اس خاندانی روشن کو زندہ کیا۔ اور غالباً یہی مقصود ہے ان مفسرین امامیہ کا جو "وفدیناہ بذبح عظیم" کی تفسیر میں ذبح عظیم شہادت امام حسین علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں۔ اور اس بارے میں بعض ائمہ اہلبیت کرام علیہم السلام کے آثار نقل کرتے ہیں۔

(اجلاس عام ۔ کلکتہ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء)

حسینؑ اور انسانیت

وزیر اعظم ہندوستان پنڈت جواہر لال نہرو کے تاثرات

کسی کارنمایاں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ اس کا دوسروں پر کتنا اثر مرتب ہوتا ہے، کس قدر وہ انہیں ابھار رہا ہے، کس قدر اُن کو طاقت ور بنا رہا ہے اور کتنی شرافت و تہذیب ان میں پیدا کر رہا ہے، یہ حقیقت کہ لاتعداد نسلیں کربلا کی اس قربانی اور عظیم سانحہ سے زبردست طریقہ پر اثر پذیر ہوتی آئی ہیں خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ قربانی کس قدر لازوال قیمت رکھتی ہے۔

اس شہادت میں ایک عالم گیر پیغام ہے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا مگر ایک ظالم حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ انھوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ہماری مادی قوت دشمنوں کی قوت کے مقابلہ میں کم ہے ایمان کی قوت ان کے نزدیک سب سے بڑی قوت تھی جو ہر مادی قوت کو ہیچ سمجھتی ہے۔

ہر فرقہ اور قوم کے لیے یہ قربانی شمع راہ ہدایت ہے۔

امام حسینؑ کی ذات تمام اختلافات سے بالاتر ہے

گورنر یوپی مسٹر سروجنی نائیڈو کے خیالات

حضرت امام حسین نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے جو پیغام اور اصول پیش کیا تھا وہ اتنا بے نظیر اور مکمل تھا کہ آج ہم اُس کی یادگار منا رہے ہیں۔ میرے پاس ایسے کوئی الفاظ نہیں اور نہ دنیا کی کوئی ایسی فصیح و بلیغ زبان ہے کہ جس کے ذریعہ میں ان جذبات عقیدت کو بیان کر سکوں جو اس شہید اعظم کے لیے میرے دل میں ہیں حضرت امام حسینؑ صرف مسلمانوں کے نہیں بلکہ رب العالمین کے سارے بندوں کے لیے ہیں۔ میں مسلمانوں کو مبارک باد دیتی ہوں کہ ان میں ایک ایسا بلند انسان گزرا ہے جسے دنیا کی ہر قوم یکساں طریقے سے مانتی ہے اور اُن کی عزت کرتی ہے۔

کربلا کا دردناک سانحہ آج بھی ویسا ہی تازہ، ویسا ہی دردانگیز اور ویسا ہی اثر خیز ہے جیسا کہ اُس روز تھا جب اسلام کا یہ بہترین رہبر شہید کیا گیا۔ تیرہ سو سال کے بعد بھی امام حسین کی مثال حق و حریت تلاش رکھنے والوں کی رہنمائی کے لیے روشنی کا منارہ بنی ہوئی ہے ان کی ذات تمام اختلافات سے بالاتر ہے۔ وقت اور زمانہ کی قید سے آزاد ہے اور برائیوں کے مقابلہ میں صداقت کی فتح کا لافانی نشان ہے۔

اکثر جب لوگ مرتے ہیں تو ان کی یاد بھی موسم خزاں میں پتوں کی طرح غائب اور ختم ہو جاتی ہے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام قسمت انسانی کی ان نادر اور منتخبہ ہستیوں میں سے ہیں جن کے نام اُفق تاریخ پر ایک روشن ستارہ کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ شاید ہی کسی ہستی کو اسلام کے اس اولعزم رہنما کی طرح ایسی غیر فانی شوکت اور حسن نصیب ہوا ہو شاید ہی کوئی قصہ اتنا الم ناک اور دلدوز ہو جتنا کہ قصہ کربلا ہے جو آج تیرہ صدیوں کے بعد بھی لاکھوں کروڑوں انسانوں کو خون کے آنسو رُلانے کی قابلیت رکھتا ہے تیرہ صدیوں کے بعد بھی اس مقدس شہادت کی عظمت و شوکت ظلم اور باطل کے خلاف کوشش کی اعلیٰ ترین نشانی ہے اور انسانی آزادی اور حق کی راہ میں سب سے بڑی ہوئی انسانی قربانی بھی۔

تاریخ کے طویل دور میں روئے زمین پر چند ہی ایسی عدیم المثال منتخب ہستیاں پیدا ہوئی ہیں جن کے نام انسانوں، رزمیہ نظموں اور گیتوں میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہیں۔ اپنے کارناموں کی عظمت یا اپنی موت کی شان و ندرت کی وجہ سے وہ ایسے بہادرانہ اور پسندیدہ خصائل کی لافانی نشانیاں بن جاتے ہیں جو بنی نوع انسان کو محبوب ہیں۔

تاریخ انسانیت میں بہت کم ایسے نام ہیں جو اتنے گراں بہا ہوں جیسا کہ امام حسینؑ کا نام ہے اور بہت کم کہانیاں اتنی دل آویز ہیں جتنا کہ کربلا کا المیہ اور شاندار معرکہ جس میں یہ غیر فانی قوت موجود ہے کہ وہ عالم کو متحرک کر دے اور دوسروں کو بصیرت دے۔

اس وقت سے پہلے دنیا پر یہ فرض کبھی اس طرح عائد نہیں ہوا کہ وہ اُس شان دار نصب العین کو سمجھے اُس کی قدر کرے اور اس پر عمل پیرا ہو جو اسلام کے پیارے اور محترم امام کی اُس رفیع الشان شہادت میں ظہور پذیر ہوتا ہے جو حق، انصاف اور آزادی کے نام پر ہوئی۔

امام حسینؑ کی ذات منارۂ نور ہے

(از وزیر اعظم یوپی پنڈت گوبند بلبھ پنتھ)

امام حسینؑ کی ذات اس محیط ظلمت اور تاریکی میں ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہے اُن کی شہادت انسانیت کو درس بصیرت دیتی رہے گی اور اس کو شیطانی قوت اور بہیمیت کے مقابلہ میں ثبات قدم عطا کرے گی اور جب بھی انسان کے لیے اُن لافانی خوبیوں کے تحفظ کا موقع آ جائے گا جو انسانی تمدن کا جزو لاینفک ہیں اس وقت یہی شہادت اُسے ٹڈی دل دشواریوں کا مقابلہ کرنے کی تاب و طاقت دے گی۔

پایۂ انسانیت

(از سرآمد شعراء جناب آنی جائسی دام ظلہٗ)

اے حسینؑ اے افتخارِ کائنات
اے حسینؑ اے ہادیِ راہِ نجات

تجھ پہ نازاں سطوتِ تائیدِ حق!
ردِّ باطل کا ملا تجھ سے سبق

تو ہی مصداقِ پیامِ جبرئیل!
تو نے کی تائید رویائے خلیل

تجھ کو پیاری شبیر داور کی طرح
تھی حق شیر مادر کی طرح

امتحاں کی سختیوں میں بر ملا
تو نے سر کی منزلِ کرب و بلا

کربلا ہے منظرِ بالا و پست!
کربلا ہے شرحِ روداد الست

اک طرف بے رحمی و جور و جفا
اک طرف ہمدردی و صدق و صفا

ایک جانب فتنے اور سفاکیاں
ایک جانب شانِ انسانی عیاں

اے حسینؑ اے امت جد کے شفیع
پایۂ انسانیت تجھ سے رفیع

نازشِ اہلِ امانت تیری ذات
خالقِ عالم کی رکھ لی تو نے بات

کم ترے رتبے سے مدحِ قدسیاں
کیا کہے پھر آنیؔ کج مج بیاں

"ترانۂ غم"

(از جناب قاسم شبیر صاحب نقوی نصیر آباد ضلع رائے بریلی)

دلوں کو مایۂ عشق و وفا دیا تو نے
حسینؑ جینے کا حاصل بتا دیا تو نے

تجھے مٹا کے بھی دنیا تجھے بھلا نہ سکی
کہ اپنے غم کو کہانی بنا دیا تو نے

ہزار بار سلام اُس صغیر بچے پر
جسے جہاد کے قابل بنا دیا تو نے

تڑپ کے آ گئی قدموں میں تیرے روح نجات
خدا کی یاد میں جب سر جھکا دیا تو نے

ہزار ستم کا ماخذ تھی تیری ایک شکست
کہ ظلم و کفر کا پہلو دبا دیا تو نے

تری ادائے تشکر پہ ہوں فدا کونین
گلے پہ تیغ چلی۔ مسکرا دیا تو نے

خدا گواہ بنا خود تری سخاوت کا
اُسی کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا تو نے

جہان صبر پرستار تیرے نام کا ہے
جوان بیٹے کے غم کو بھلا دیا تو نے

ہر ایک آہ تبسم میں ہو گئی تبدیل
ہر ایک درد کو درماں بنا دیا تو نے

تمہارے دشمنوں کے دلوں میں بھی اعتراف جفا
عجیب حسن سیاست دکھا دیا تو نے

ہر ایک قوم، ہر اک گھر میں ذکر ہے تیرا
یہ کیا پیامِ محبت سنا دیا تو نے

ہر ایک کو دل قاسم پہ رشک آتا ہے
کہ اپنے درد کے قابل بنا دیا تو نے

دورِ حیات آتا ہے قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد
قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حسینیت سے سبق لو

(از قلم حقیقت رقم عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ دام ظلہ)

خون ریزی، قتل وغارت نہ کسی انسان کے نزدیک اچھی چیز تھی اور نہ اب کوئی صحیح الدماغ اسے پسند کرسکتا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ قابل نفرت ومذمت ہونے کے بعد بھی ابتدائے آفرینش سے دنیا ہستی بے گناہوں کے خون سے رنگین ہوتی رہی اور تمام شخصیتوں اور جماعتوں کی انتھک کوششوں کے بعد بھی مظلوموں کے لہو سے داغدار ہوتی رہی جس کا سبب انسان کی وہ قوت سبعی ہے جو حیوانیت کا جزو لازم ہے۔

انسان بھی مادیت، جسمیت، صورت وشکل، اجزائے جسمی وترکیبی کے لحاظ سے ایک قسم کا حیوان ہے اور روح حیوانی کے دو جزو محرک بنیاد حیوانیت ہیں ایک قوت بہیمی جس سے کھانے پینے، سونے جاگنے، توالد وتناسل کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اگر یہ جذبات نہ ہوں تو نہ خود انسان دنیا میں باقی رہے اور نہ اس کی نسل دوسری ... قوت سبعی ہے جس سے غیظ وغضب جوش مدافعت خودداری، غیرت وشجاعت پیدا ہوتی ہے لہذا انسان میں بھی جب تمام اجزا ولوازم حیوانیت آئے تو قوت بہیمی اور قوت سبعی بھی آئی مگر اتنے فرق کے ساتھ کہ حیوان میں یہ دونوں قوتیں خود ... نہیں خود مختار نہیں بلکہ حسب اصطلاح جدید حق خود ارادیت کی حامل تھیں کسی حیوان میں قوت بہیمی سبعی پر غالب تھی اور کسی میں قوت سبعی بہیمی پر غالب تھی لیکن انسان کو تمام حیوانات سے مشخص وممتاز کرنے کے واسطے قادر مطلق نے نفس ناطقہ یا یوں کہیے کہ قوت عاقلہ بھی عطا کی۔ اور مشیت باری یہ تھی کہ دونوں حیوانی قوتیں نفس ناطقہ کے زیر حکومت کام کرتی رہیں۔ انہی اجزائے ترکیبی کو دیکھ کر ملک نے بنائے خلقت انسانی میں پیشین گوئی کردی تھی کہ اسی انسان کو زمین پر خلافت ملے گی جو خونریزی اور فتنہ وفساد کرے گا۔ اپنی مصلحت تو خدا ہی جانے اور یقیناً جو اس کی حکمت کا مقتضا تھا وہ بالکل حق تھا۔ اگر انسان میں نفس ناطقہ کے ساتھ بہیمی اور سبعی قوتیں نہ ہوتیں تو دنیا کو مقام امتحان قرار دینا ہی غلط تھا مگر ہوا وہی جو ملک کی نگاہ دیکھ رہی تھی اور علم باری میں بھی گزر چکا تھا یعنی آدم کی نسل کچھ آگے بھی نہ بڑھی تھی کہ بنی آدم میں خوں ریزی شروع ہوگئی اور خود جناب آدم ہی کے ایک فرزند نے ان کے دوسرے فرزند کو قتل کردیا۔ پھر کیا تھا زمین کے منہ کو خون لگ گیا اور بھائی نے بھائی کو، باپ نے بیٹے، بیٹے نے باپ کو قتل کرنا شروع کردیا، خاندان سے خاندان قوم سے قوم ملک سے ملک، زر، زن، زمین، حسد، لالچ، غرور، سخن پروری کی بدولت لڑنا شروع ہوگئے اور انسانیت کے خون کی تشنہ زمین، مظلوم وظالم دونوں کے خون سے سیراب ہونے لگی۔

ہر انسان کا نفس ایک طرح کا نہیں ہوتا لہذا ایک طرف تو درندہ صفت انسانوں نے دنیا میں خونریزی عام کرنے کی سعی کی مگر جو دل کچھ بھی رحم وکرم کے خوگر تھے وہ خون کے جمتے ہوئے دریا ٹھنڈے دل سے نہ دیکھ سکے پہلے خاندانوں کے بزرگوں نے پھر شیوخ قبائل، ممالک کے سرداروں، مملکتوں کے سلاطین نے نصیحت کرکے سمجھا کے قانون کی بندشیں، بڑی سے بڑی سزائیں معین کرکے فتنوں کو روکنا چاہا اور پھر سلاطین کے باہمی عہد وپیمان انجمنوں اور مختلف قسم کی چھوٹی بڑی جماعتوں نے امن وامان کی کوشش کی۔ مگر ہر کوشش بے کار اور سعی لاحاصل رہی کیونکہ مرض کے دور کرنے کی فکر سب کو تھی مگر اسباب مرض پر نظر ایک کی نہ تھی یہ سب نے چاہا کہ خون ریزی رکے مگر یہ کوشش کبھی نہ کی کہ خون ریزی کے اسباب یعنی ظلم وجور، عیش پسندی کے جذبات، بغض وحسد، غرور، تمکنت، مذہب سے آزادی، غیر مذہبیت کے خیالات ہٹ کے رحم وکرم، خوف خدا، عیش وعشرت سے نفرت، تکبر وغرور سے علیحدگی، مذہبی احکام کا احترام، اخوت، عبدیت کا جذبہ، اخلاق حسنہ پیدا کرنے کا ذریعہ بنے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کوشش بیکار رہی اور ہمیشہ بیکار رہنا لازم ہوگی۔

ادھر انسانیت اس کوشش میں تھی اور ادھر خالق کی مشیت بھی یہی تھی لہذا اس نے پہلے تو قوت بہیمی اور غضبی کے دبانے اور صحیح راہ پر لگانے کو نفس ناطقہ کو حاکم بنا کے بھیجا اور جب یہ دیکھا کہ نفس ناطقہ نہ تو پوری قوت سے بہیمی اور غضبی کو دبا سکے گا ورنہ ہر مرحلہ میں صحیح راہ عمل تلاش کرسکے گا تو اس نے نفس ناطقہ کی مدد اور ہدایت کے واسطے انبیا، مرسلین، ائمہ معین کیے، کتابیں اور صحیفے اتارے۔ ان حضرات نے یک لخت خون ریزی کو بند کردینے اور روک دینے کے بجائے ان اسباب کو روکنے کی کوشش کی جو خون ریزی کا باعث ہوتے تھے اور حدود کے اندر خون ریزی کی اجازت دی۔ کیونکہ یہ حضرات جانتے تھے کہ جو قوتیں فطرت کے اندر کارفرما ہوں ان کو معطل کردینا بقائے انسانی کے واسطے مضر بھی ہے اور ناممکن بھی لہذا ضروری تھا کہ ان فطری قوتوں کو باقی تو رکھا جائے مگر ان سے کام لینے کے محل معین کردیے جائیں۔

اسی سلسلۂ اصلاح کی آخری کڑی ہمارے رسول تھے جو آج سے تقریباً تیرہ سو سال قبل مبعوث بہ رسالت ہوئے۔ اور دنیا کو امن وآسائش معاد ومعاش کا پیغام سنایا۔ آواز کا بلند ہونا تھا کہ سب سے پہلے کفار قریش کی قوت غضبی مقابلہ کو آئی اور پیغمبر نے صلح وآشتی۔ کیا آج کل کی زبان میں شانتی کا سپر بنا کے ہدایت کرنا شروع کی تیرہ برس اسی صورت سے گزرے اور آخر مجبور ہو کر براہ ہجرت اختیار کی جس پر سیکڑوں مسلمان پہلے ہی سے گامزن ہو چکے تھے۔ جب یوں بھی کفار قریش کی درندگی انسانیت سے نہ بدلی اور رسول نے دنیا کو دکھا دیا کہ محض صلح وآشتی تنہا صفت انسانی کو ہیجان بنا سکتی ہے نہ مظلوموں کی جان بچا سکتی ہے نہ ظالم سے ہاتھ روک سکتی ہے نہ امن وامان قائم کرسکتی ہے نہ خوگر ظلم وستم کی سیرت بدل سکتی ہے۔ تو آپ نے بھی تلوار اٹھائی اور دنیا کو بتادیا کہ قوت سبعی سے کام لے کر انسانیت کے خلاف تلوار اٹھانے کا موقع اور محل کیا ہے۔ جنگ کی مسلمانوں نے اور خود اس رسول کے زیر سیادت جنگ کی جو دنیا کے واسطے غضب الٰہی نہیں بلکہ مجسم رحمت خدا بن کے آیا تھا جس کے معنی یہ سمجھے کہ اس کے زیر رایت خونی برسات بھی بارش رحمت تھی۔ کیونکہ یہ خون ریزی بند کرانے کی غرض سے تھی۔ مظلوم کو ظالم کے آہنی پنجہ سے چھڑانے کے لیے تھی۔ بیواؤں اور یتیموں کی حمایت کے واسطے ظلم وجور کے نقش

ممانعت کے واسطے تھی۔

جنگ بدر ہوا اور اس کے بعد احد کا واقعہ پیش آیا۔ پھر خندق و فتح مکہ، جنگ حنین اور سفر جنگ موتہ کے بعد دورِ خاتم النبیینؐ ختم ہوا۔ مگر آخری وقت بھی تجہیز جیش اسامہ سے غافل نہ تھے اور آخر دم تک فرماتے رہے لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ جو اسامہ ابن زید کا پیچھا اور اس کے ساتھ نہ رہے اس پر خدا کی لعنت۔

خاتم النبیینؐ کے رحلت کرتے ہی اسلام کا پہلا دور تو مرتدین سے جنگ میں گزرا اس کے بعد دوسرا دور فتح ممالک کا تھا اور تیسرے دور میں مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں ہی پر تیز ہو گئیں جو نتیجہ تھا رسولؐ کے انتقال کرتے ہی تعلیم اسلام پر عمل چھوڑنے کا۔ رسولؐ کی بعثت کے وقت جس طرح حسد۔ بغض۔ خود غرضی۔ نفس پرستی عام تھی۔ یہی سب کفار قریش میں نہیں بلکہ اب مسلمانوں کی سیرت تھی۔

پہلے تو اسلام کی تلوار جہاد اور دفاع مدافعت اور انتقام کے نام سے خون برساتی رہی مگر رسولؐ کے بڑے نواسے امام حسنؑ کے بمجبوری امیر معاویہ سے صلح کر لینے کے بعد محض بغض و حسد جو رہ ظلم کے بادل برسنے لگے۔ آج یہ مسلمان قتل ہو گیا کل اس مومن کو زہر دیا گیا مظلوموں کی گردنیں زیر تیغ ان کے مکانات بلکہ قبیلے کے قبیلے نیست و نابود ہو گئے امام حسنؑ بھی ظلم و ستم دیکھتے ہوئے دنیا سے رحلت فرما گئے اور اب تعلیم نبیؐ کا ایک نمونہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے تھا جس کا نام حسین ابن علیؑ تھا۔ یہ حقیقت ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ بارہ اماموں میں ہر امام کی راہ عمل خدا کی طرف سے معین تھی اور جس امام نے جو کچھ کیا وہ حرف بحرف وہی تھا جس کی ہدایت مشیت باری نے کر دی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ انداز عمل جن چیزوں پر روشنی ڈالتا تھا اگر ان چیزوں کو مصلحت عملی قرار دیا جائے تو بے جا بھی اسی بنا پر میں یہ خیال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ عام دنیا کے بہادروں اور شجاعت کے پرستاروں نے اپنے ماننے والوں میں جس خونریزی کا جنگ و جدال کی تعلیم دی تھی اس کے جواز کی حدیں امید فتح میں مضمر تھیں یعنی جنگ اس وقت ممکن سمجھی جاتی تھی جب وقت اپنی فتح کا اگر یقین نہ ہو تو کم از کم ظن و گمان یا وہم تو ضرور ہو لیکن جہاں شکست یقینی ہو وہاں جنگ کی اجازت کوئی نہ دیتا تھا۔ دورِ رسالت سے پہلے بھی کسی نے کوئی ایسی لڑائی نہ لڑی تھی جس میں شکست کا یقین ہو اور رسولؐ نے بھی جب تک اعوان و انصار فراہم نہ کر لیے جہاد کا حکم نہیں دیا یہی سیرت علیؑ کی رہی اور حسنؑ نے بھی لشکر کی بے وفائی دیکھ کر ہی صلح کر لی اور بعد صلح امام حسنؑ صاحبان ایمان قتل ہو گئے۔ ظلم برداشت کرتے رہے مگر مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہی خاموش رہے نہ جہاد کے واسطے اٹھے نہ تیغ انتقام بلند کی امام حسینؑ نے اس طریقِ عمل میں بالکل تبدیلی کر دی اور آپ نے دنیا کو دکھا دیا کہ کثرت لشکر، تہیۂ اسباب و آلات فتح کے یقین پر ہی جہاد موقوف نہیں بلکہ قلت انصار اور یقین شکست کے بعد بھی جہاد کیا جا سکتا ہے اور ظاہری شکست میں بھی آخری فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہی دنیا سے نرالا اور انوکھا انداز جنگ تھا جس کے آلات حرب پیاس بھوک غریب الوطنی بیکسی مظلومی ایثار قربانی اور صبر تھے اور جس کی فتح شہادت بے کفنی پامالی جلتی زمین پر میتیں، خیموں کی لوٹ، آتش فشاں اہل و عیال کی اسیری۔ اور خون کا سیلاب اور عورتوں کی ہتھکڑیوں میں مضمر تھی اور اعلان فتح اسیروں کے قافلہ کی دربدری جس کا جشن فتح دربار یزید میں [illegible] تھا تعلیم زبانی اتنی پر اثر نہیں ہوتی جتنی عملی تعلیم لہٰذا کربلا کی جلتی زمین پر تعلیم حسین ابن علیؑ نے اپنے عمل سے دی تھی اس کا فوری اثر یہ تھا کہ عرب کا ہر کمزور سے کمزور انسان جو سینہ میں ایمان چھپائے خوف یزید سے لرز رہا تھا پوری آزادی کے ساتھ تیغ انتقام ہاتھ میں لیے کھڑا ہو گیا اور خون کی ندیاں اتنی بہیں کہ یزید کی مستحکم حکومت کی کشتی الٹ پلٹ ہو گئی یزید مٹ گیا نیست و نابود ہو گیا اور حسینؑ نے فتح پائی کا اسلامی پرچم آج بھی تمام دنیا کو دعوت عمل دینے پر تیار ہے۔ محرم کا چاند کل چکا حسینیت کے جلوے نگاہوں میں خنجر غم کی طرح پھر گئے۔ ۶۱ سنہ نہیں اب ۶۷ سنہ ہجری کا دور ہے اور ظلم و ستم کی آندھیاں تیز ہیں۔ اپنی قلت غیروں کی کثرت دل ہلا رہی ہے۔ یہ سب سچ ہے مگر کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم نام حسین زبانوں کی تسبیح بنا دیں پہلے تو امن و امان صبر و سکون کے جلوے دکھائیں ہر آواز صلح پر لبیک کہیں بلکہ خود سے مصالحت کی صورتیں پیش کریں کوئی بھی ہو اگر مظلوم ہے تو اس کو ظالم سے بچائیں خونریزی اور فتنہ و فساد کو روکنے کی ہر کوشش ختم کر دیں لیکن اس کے بعد بھی اگر ظلم کی تلوار ہمارا خون پی لینے پر تیار ہی ہو تو پھر کربلا کے شہیدوں کے نقش قدم پر چل کے حفاظت خود اختیاری میں مرجانا گوارا کر لیں مگر شجاعت کے وہ جوہر دکھانے کے بعد جس کے واسطے پسر سعد سا قاتل حسینؑ بھی تمناگستر تھا کہ ہم پر اس گروہ نے حملہ کیا تھا جس کے پنجے تلواروں کے قبضوں پر مضبوط تھے جیسے بپھرے ہوئے شیر بکریوں کے غول میں نہ وہ امان کے خواہش مند تھے نہ مال کی ان کو لالچ تھی

فرض ہے ہمارا کہ ہم بھی جب ہر طرف سے مجبور کر دیے جائیں تو دفاع کرنے میں پوری کوشش ختم کیے بغیر خنجر ظلم کے نیچے گردن جھکائیں کہ اسلام کی رگوں سے خون مظلومیت جاری بھی ہو تو خون ظالم سے ملتا ہوا۔ یہی ہماری فتح اور حسین ابن علیؑ کی تعلیم ہے۔

یزیدیت برباد، حسینیت زندہ باد

معنیٔ "ذبح عظیم"

از شاعر اسلام ڈاکٹر شیخ محمد اقبالؒ

آں امام عاشقاں پور بتول
سرو آزادے ز بستان رسول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

ذکر حسینؑ

(از شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم اے پی ایچ۔ ڈی)
پرنسپل جامعۂ ملیہ دہلی)

ہندوستان کی سرزمین پر جہاں ہر مذہب اور ہر ملت کے اہل دل ہمیشہ سے کثرت میں وحدت دیکھتے اور دکھاتے رہے ہیں یہ بات کہنے کے لیے کسی دلیل اور بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ حق کا نور ایک ہے۔ مگر دیکھنے والے، اُن میں جیسی اور جتنی دیدار کی طاقت ہے اُس کا جلوہ اپنے اپنے رنگ میں دیکھتے ہیں اور اُس کی کیفیت اپنی اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں جب کوئی بات اس طرح کہنی ہو کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ اسے سمجھ سکیں، اور اس سے اپنے دل پر ٹھیک ٹھیک اثر لے سکیں تو ملتوں اور مذہبوں کی جدا جدا بولیوں اور الگ الگ مخصوص اصطلاحوں کو چھوڑ کر اُسے انسانیت کی عام زبان میں کہنا ہوتا ہے "یادگار حسینی" کی تحریک کا مقصد جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہی ہے کہ فخر انسانیت اور مایۂ ناز بشریت حسینؑ کے کارناموں کی قدر و قیمت کو انسانیت کے عام معیاروں پر پرکھا جائے اور اس کا نتیجہ انسانیت کی عام زبان میں بیان کیا جائے سب جانتے ہیں کہ ایک محاورے کو دوسرے محاورے میں ترجمہ کرنا کٹھن ہے اور جب اس کے ساتھ یہ شرط ہو کہ ترجمے کی زبان وہ ہو جو انسانوں کے دل کی زبان ہے تو یہ کام اور بھی کٹھن ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے جو امام حسینؑ کا حال مذہبی رنگ میں سننے اور سنانے کا عادی ہے اُسے اس نئے رنگ میں اس طرح بیان کرنا کہ اس ذکر سے جو کیفیت اُس کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہی دوسروں کے دل میں پیدا ہو جائے بہت مشکل ہے مگر یہ بات ہمت بندھاتی ہے کہ جب سننے والوں کے دل ہمدردی اور محبت سے سمجھنے پر آمادہ ہوں تو وہ ادھوری کہی بات بھی سمجھ لیتے ہیں۔

صاحبو! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس عام انسانیت کے لیے حسینؑ کی شہادت کیا تخت طلبی کی ایک ناکام کوشش ہے جس میں آپ کو ناکام فریق سے ایک تاریخی ہمدردی سی ہے؟ یا یہ محض ایک تند مزاج سردار کی ضد یا ناعاقبت اندیشی ہے جس میں ضد کرنے والا اتفاق سے آپ کے محبوب اور مخدوم آقا کا جگر گوشہ ہے اس لیے آپ اس کی پچ کرتے ہیں۔ کیا یہ بیدردی اور سفاکی سے ایک کمزور جماعت کے مٹانے کی دل ہلانے والی کہانی ہے جس کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور آنسوؤں کی چند بوندیں آنکھوں سے بے اختیار ٹپک جاتی ہیں؟ دنیا کی تاریخ میں ہمدردیوں اور طرفداریوں کے لیے اتنے اور مواقع ہیں اور وہ شخصی اور جماعتی ناکامیوں اور نامرادیوں، بے دردیوں اور سفاکیوں کی کہانیوں سے اتنی پُر ہے کہ صرف ان کے لیے تو دنیا کو حسینؑ کی داستان کی خاص ضرورت نہیں۔ لیکن نہیں۔ حسینؑ کی کہانی ان میں سے کوئی چیز نہیں وہ تو انسان کی سرفرازی اور سربلندی کی داستان ہے، شرف انسانیت کی کہانی ہے

انسان کے پستی سے بلندی کی طرف ارتقاء کی روداد ہے اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معیاروں کی تفسیر ہے، بہیمی غلامی سے انسانی حریت کی طرف سفر کی منزل ہے۔ وہ دنیا میں خدائی بادشاہت کا اعلان ہے اور انسانوں میں اس کے قیام کے امکان بلکہ لزوم پر کسی جھوٹے نہ مٹنے والی شہادت ہے وہ منزل تکمیل انسانی کی راہ کا چراغ ہے۔ اس چراغ کو باطل کی قوتیں جب کبھی اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتی ہیں تو حسینؑ کی یاد اس کی لو کو روشن کر دیتی ہے۔ جب راہ حق و حریت میں انسانیت کے قدم ڈگمگاتے ہیں اور کیسے کیسے نہیں ڈگمگاتے تو حسینؑ کی مثال اُسے سہارا دیتی ہے۔ اور سنبھال لیتی ہے۔ جب دولت و قوت و اقتدار کی فرعونیت حق پرستوں کی تہی دستی اور بے وسیلہ جمعیتوں پر عرصۂ زندگی تنگ کرتی ہے اور جب پیہم ناکامیوں کا ہجوم حق پر باطل ہونے کا وسوسہ دل میں ڈالتا ہے تو حسینؑ ہی کی مثال انھیں ثبات قدم کا سبق دیتی ہے۔ اور یاس کی کفر افزائی سے بچاتی ہے۔ جب جماعتی زندگی کا فساد فرد کو بے حقیقت سا بنا دیتا ہے تو حسینؑ کی مثال اس فرد کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتی ہے کہ جماعت کو اخلاقی جماعت بنانے کا فرض آخری طور سے اسی پر عائد ہوتا ہے۔ چاہے اس کوشش میں جماعت اُسے زہر کا پیالہ پلائے یا سولی پر چڑھا دے، سنگسار کرے یا سر تن سے جدا کر کے شہادت کے خون سے زمین کو لالہ زار بنائے۔ زندگی کے حریص انسانوں کو حسینؑ یاد دلاتے ہیں کہ زندگی ہر حال میں جیے جانے کا نام نہیں ہے اور جتلاتے ہیں کہ ع

"ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی"

جب کامیابی کے طلائی بچھڑے کی پرستش ہر سو ہو رہی ہو تو حسینؑ ناکام کا نام ہی اس سحر سامری کا توڑ بن جاتا ہے اور حسینؑ کی ناکامی کے رو برو باطل کی ساری فتح مندیاں سرنگوں و شرمسار نظر آتی ہیں۔

لیکن آخر یہ سب کیوں؟ اس لیے کہ حسینؑ نے اپنی جان دے کر خدا کی خدائی اور انسان کی شرافت پر شہادت دی ہے اور اس دستاویز پر اپنے خون سے مُہر ثبت کی ہے۔ یہ انسانی شرافت کیا ہے؟ بہائم پر انسان کو کون سی چیز برتری کا مرتبہ دیتی ہے؟ اس کے سینے میں قانون و اخلاق کا وجدان "یہ جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں"؟ اس کے دل میں اعلیٰ اقدار کا ذوق و شوق ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جانے کا فطری قصد۔ اعلیٰ کو جان کر ادنیٰ پر قناعت سے اس کی فطری بیزاری، پھر ان اقدار اعلیٰ کا مطلق اور کامل حیثیت میں یقین اور اس پر اس کے قلب و ضمیر کی تصدیق۔ یہ صفات اخلاق کے وہ مکمل نمونے ہیں جن پر ہر چیز کی قدر و قیمت پرکھی جاتی ہے۔ مثلاً عدل، حق، خیر، حُسن۔ انھیں سے انسان کی شب تار حیات میں روشنی کی جھلک ہے۔ ان ہی سے اس کی بے چینی میں سکون اور پراگندگی میں دل جمعی کا سامان ہے۔ وہ بھٹکتا ہے تو یہی دلیل راہ ہوتی ہیں۔ زندگی کے دوراہے پر جب یہ کفر کی طرف جاتا ہے تو یہی اسے شکر کی طرف کھینچتی ہیں "اسفل سافلین" میں یہی "احسن تقویم" یاد دلاتی ہیں۔ انھیں بھلایا جاتا ہے مگر یہ پھر بار بار یاد آتی ہیں۔ انھیں دبایا جاتا ہے مگر یہ پھر ابھرتی ہیں ان سے بد کنے والے وحشی بھی ع

"پھر پھر کے ان کو جاتے ہیں تکتے"

یہ اقدار مطلقہ حواس ظاہری سے محسوس نہیں ہو سکتیں۔ ان کا تصور کیا جا سکتا ہے چشم ظاہر ان کے نظارے سے محروم ہے۔ صرف چشم باطن ہی کو ان کی جھلک نظر آتی ہے۔ ہر ملک میں ایسے خدا کے بندے پیدا ہوتے ہیں جو ان اقدار کو بے حجاب اس طرح دیکھتے ہیں۔ جیسے ہم چاند سورج ستاروں کو دیکھتے ہیں اور ان کے نور سے وہ دنیا کی ہر چیز کو، زندگی کے ہر شعبے کو انفرادی ہو کہ اجتماعی منور کرنا چاہتے ہیں اپنے قول سے ان اعلیٰ قدروں کی تلقین کرتے ہیں اپنے عمل سے ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ انھیں اپنے پر طاری کرتے ہیں اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کی روشنی سے دوسروں کی نظریں ان تک پہنچاتے ہیں اور دوسروں کے دل ان کی طرف جھکاتے ہیں اور جب انسان کی بہیمیت ان پر نرغہ کرتی ہے تو ان کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ حفاظت میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن ان کا اصلی رنگ ناکامی میں نکھرتا ہے۔ ان کی ظاہری کامیابی سے ان کی پیش کردہ اقدار پر یقین اتنا راسخ نہیں ہوتا جتنا اُس وقت ہوتا ہے۔ جب باطل کی یلغار اتنی شدید ہوتی ہے کہ کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی شکست یقینی ہوتی رہی اور سینا کامی اور شکست کے یقینی ہونے کے باوجود اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے ساتھی نہیں بنتے۔ اس پر گالیاں کھاتے ہیں۔ ذلتیں سہتے ہیں تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور اگر "یہ رتبۂ بلند" نصیب میں ہوتا ہے تو آخر کار جان کی نذر پیش کر کے اپنی سچائی کا آخری ثبوت دے دیتے ہیں اور انسانیت کو جتا دیتے ہیں کہ کامیابی اور اقتدار کی لاگ سے وہ کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ ان اقدار مطلقہ کی سیوا بس اُسی وقت تک ٹھیک ہے جب تک مدتوں فتح مندیاں ہیں، نہیں ان کے ساتھ رہ کر ناکامیاں دوسروں کے ساتھ کامیابیوں سے، اعلیٰ کی خاطر بدنامیاں۔ ادنیٰ کے ساتھ کی نیک نامیوں سے بہتر ہیں ان کی جلو کی رسوائیاں بڑی بڑی کامرانیوں سے زیادہ اور ان کی سنگت کی تنہائیاں، لشکروں اور جیشوں پر قابل ترجیح ہیں حسینؓ انھیں اقدار مطلقہ کے علم بردار تھے۔ انھیں کے لیے جیے، انھیں کے لیے لڑے اور انھیں پر اپنی جان نثار کر گئے اور اپنی زندگی اور اپنی موت دونوں سے انسانیت کے لیے ایک دائمی شمع ہدایت روشن فرما گئے۔ اس شمع کی روشنی زندگی کے ہر شعبے میں راہ نما ہے لیکن جماعتی زندگی کی گمراہیوں میں اس شمع سے اکتساب نور کی طرف آج خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

اسلام کے نزدیک دین کی بنا اقدار کی وحدت پر ہے۔ بنیادی اقدار حکم، حکمت اور حق ہیں۔ حکمت اور حق بنیادی اقدار کی حیثیت سے معروف ہیں میں صرف حکم کی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے مراد ہے۔ حکومت۔ اقتدار اعلیٰ۔ ذرا سوچیے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نوع انسانی کی اچھی سیاسی تشکیل، عدل اور انصاف پر مبنی حکومت کا قیام، انسان کی اخلاقی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ اس لیے اچھی حکومت بھی ایک اخلاقی قدر رکھتی ہے اور اس کا ایک مکمل نمونہ ہماری ہدایت کے لیے ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا حکمت اور حق کا۔ اس کا نام حکم ہے حکم، حکمت اور حق کو ایک ماننا اسلام کی تعلیم ہے۔ یعنی اسلام یہ کہتا ہے کہ حکم بھی اسی ذات کے لیے ہے جو عین حق اور عین حکمت ہے۔ عبادت یعنی غیر مشروط اور غیر محدود اطاعت صرف اسی کی کرنی چاہیئے اور کسی کی نہیں۔ شرطوں کے ساتھ اور حدوں کے اندر دوسرے کی اطاعت بھی کی جا سکتی ہے مگر شرط اور حد یہی ہے کہ مجازی حاکم حقیقی حکم اور حکمت اور حق کے خلاف نہ ہو۔ اگر دنیا میں حکم حقیقی قائم ہو تو انسان کا کھلا ہوا فرض ہے کہ بغیر کسی شرط کے اس کی اطاعت کرے لیکن اگر حکم مجازی کا دور دورہ ہے تو اطاعت کے لیے شرطیں لگانی پڑتی ہیں جن میں سب سے پہلی چیز یہی ہے کہ انسان کو کوئی کام اس حکم کے خلاف نہ کرنا پڑے جسے وہ حکم حقیقی جانتا ہے۔ لیکن سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب حکم مجازی سراسر حکم حقیقی کے خلاف ہو اور انسان کو اس کی خلاف ورزی پر مجبور کرتا ہو۔ اس سے بڑھ کر مشکل جس کے تصور تک سے حق پسند کا دل کانپ اُٹھتا ہے یہ ہے کہ باطل کی حکومت یہ مطالبہ کرے کہ اُسے حکم حقیقی سمجھا جائے۔ جب دنیا پر یہ مصیبت آئے تو آدمی کا فرض ہے کہ وہ قول سے، فعل سے، یہ اعلان کرے کہ یہ باطل کی حکومت سراسر حکم حقیقی کے خلاف ہے۔ میں اس کے آگے ہرگز سر نہ جھکاؤں گا اور کوئی اس کے آگے سر نہ جھکائے۔ اس اعلان کا نام شہادت ہے۔ اس شہادت پر باطل کی قوتیں ٹوٹ پڑتی ہیں مگر اس کے سارے ظلم سہہ کر ہی مرد حق دوسروں کو حق و باطل کا فرق دکھا سکتا ہے۔ میں نے ابھی کہا تھا کہ قدر اعلیٰ کو بے حجاب دیکھنے والے کم ہوتے ہیں اب یہ مرد حق جو حکم حقیقی کو بے حجاب دیکھ رہا ہے دنیا کے کم نگاہوں کو کس طرح دکھائے سوا اس کے کہ اس راہ میں قربانیاں کر کے اپنے عقیدے کی قوت سے دلوں کو پگھلائے۔ کبھی کبھی اس راہ میں جان دے کر آخری قربانی دینی پڑتی ہے۔ جو شخص جان دے کر باطل کے مقابلے میں آخر دم تک حق کا اعلان کرے وہی شہادت کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے اور عام طور پر شہید صرف اسی کو کہتے ہیں۔

اب آپ تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھیے۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ جسے مسلمان سب سے زیادہ اچھا سمجھتے ہیں گزر چکا ہے۔ حکم حقیقی یعنی خلافت راشدہ کا عہد ختم ہوتا ہے حکم مجازی یعنی ملوکیت کا دور آتا ہے حکم حقیقی کے خلاف ملک کے محاصل، ذاتی ملک بنتے ہیں اور بادشاہ بہت بڑا خزانہ جمع کر کے دولت کے بل پر اپنی قوت بڑھاتا ہے اور عالم اسلامی کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتا ہے کچھ لوگ ڈر سے۔ کچھ لالچ سے سر جھکا دیتے ہیں۔ بعض سر ایسے ہیں جو نہیں جھکتے ان ہی میں رسول کے نواسے حسینؓ کا سر ہے، لالچ، دھمکی، فریب سب سے کام لیا جاتا ہے مگر حسینؓ یزید کی طاعت سے انکار کرتے ہیں۔ بھلا حسینؓ جن کی رگوں میں علیؓ، فاطمہؓ، اور محمدؐ کا خون تھا۔ جن کے دل میں حق کا خوف اور حق کا عشق تھا حکم باطل کو حکم حق کیسے کہہ دیتے حسینؓ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا گویا اعلان کر دیا کہ یزید کا حکم، حکم باطل ہے۔ یہ پہلی شہادت تھی۔

ان کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ مکے میں بھی چین نصیب نہ ہوا۔ ترک وطن کر کے عراق کا قصد کیا یہ اس بات کا اعلان تھا کہ مجھے یزید کے حکم کے باطل ہونے پر اس درجہ یقین ہے اور اسے قبول کرنے سے اس شدت سے انکار ہے کہ ترک وطن کی تکلیف اٹھانے کو تیار ہوں یہ دوسری شہادت تھی۔

کوفے کی راہ میں کربلا کے مقام پر یزید کے لشکر نے حسینؓ کی راہ روکی اور ان کا چھوٹا سا لشکر گھر گیا۔ اب آخری قربانی اور آخری امتحان کا سامنا

ھ یہ جز و قابل تسلیم نہیں اس لیے کہ حکم حقیقی صرف وہی حکومت ہو سکتی ہے جو من جانب اللہ ہو (پیام اسلام)

سلام

(نتیجۂ فکر بلند شاعر یگانہ نواب مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر لکھنوی مدظلہ)

کیوں اوج پر ستارہ نہ ہو آفتاب کا
غازہ ہو رخ پہ خاک رہ بوتراب کا

قرآن ناطق اس لیے نام علیؑ ہوا
ہر فعل ترجمان تھا ام الکتاب کا

اسلام کی وہ آنکھ کا تارا ہو بالیقیں
جو پھول ہے ریاض رسالتمآب کا

جو مرد ہیں وہ مثل شہیدان کربلا
قربانیوں سے لیتے ہیں کام انقلاب کا

عباس نامدار کی جرأت ہو یا وفا
ہر نقطہ انتخاب ہو اس انتخاب کا

شان جوانی علی اکبرؑ نہ پوچھیے
خود حسن بن گیا تھا مرقع شباب کا

یہ تھا گمان لاشۂ قاسمؑ پہ بعد قتل
ڈوبا لہو میں پھول ہو جیسے گلاب کا

اصغرؑ کا نازنیں گلو حرملہ کا تیر
یہ بھی ہے ایک جزو مظالم کے باب کا

خورشید آسمان امامت حسینؑ تھے!
وقت زوال بھی تھا جلال آفتاب کا

تجھ پہ نثار جان مری جان مصطفےٰ
یہ پیاس اور نام نہیں اضطراب کا

کہدوں گا یہ فرشتوں سے بندہ علیؑ کا ہوں
آگے نہیں دماغ سوال و جواب کا

شبیرؑ کے جو غم میں بہائے گئے اثرؔ
کیا پوچھنا ان آنسوؤں کی آب و تاب کا

تھا حسینؑ نے آخری قربانی پیش کی، آخری امتحان میں پورے اُترے ان کے ساتھیوں اور عزیزوں میں سے ایک ایک مارا گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے قتل ہوئے آخر خود حسینؑ زخموں سے چور چور زمین پر گرے مگر اُن کے دل میں یہی تھا۔ ان کی زبان پر یہی تھا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہو یہ تیسری اور آخری شہادت تھی۔

کہتے ہیں کہ جب لشکر شام والے حسینؑ کے اہل بیت کو اسیر کر کے اور کربلا کے شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر لے چلے تو راہ میں ہر جگہ حسینؑ کا سر اللہ کی وحدانیت اور بڑائی اور اس کے حکم کی شہادت دیتا تھا۔ مذہبی عقیدت اس بات کو لفظاً بھی صحیح مان سکتی ہو مگر اس سے قطع نظر کر کے دیکھیے تو واقعی حسینؑ کا سر جہاں کہیں جاتا ہوگا۔ زبان حال سے حکم حق کی شہادت دیتا ہوگا آج تیرہ سو سال بعد بھی حسینؑ کی مثال بلکہ حسینؑ کا نام اس کی شہادت دیتا ہو اور قیامت تک دیتا رہیگا کہ حکم صرف اللہ ہی کے لیے ہو۔

جب کبھی دنیا میں حکم حقیقی کی قدر کا تسلط ہوگا تو دنیا ضرور یاد کرے گی کہ اس کے سب سے بڑے محسن کے نواسے نے کس طرح اس کی حمایت میں اپنی جان نذر دی تھی۔ جب دنیا میں افراد اور اقوام ان اقدار اعلیٰ کے سلوک کی حیثیت سے ارتقاء روحانی و ذہنی کے منازل سبک رفتاری سے طے کرتی ہوں گی۔ اور ان قدروں کے حاملوں کو ناکامی سے دوچار نہ ہونا پڑے گا تو وہ ضرور یاد کرے گی کہ صدیوں پہلے ایک بے یار و مددگار حق پرست نے ناکامی سے ڈرے بغیر ان اقدار اعلیٰ کی حمایت کی ہمت کی تھی اور جب دنیا کی طاقت و جبروت اس کے خلاف تھی تو انھیں کی خاطر اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ جب دنیا صرف ایک خدا سے ڈرے گی اور اس طرح اور سبھوں کے ڈر سے نجات پا چکی ہوگی تو وہ یہ نہ بھولے گی کہ فاطمہؑ کے لال نے میدان کربلا میں اپنا سر کٹوا کر اس طاعت اور اس سربلندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت یہ بے نوا حکمرانوں کا حکمران دکھائی دے گا۔ یہ ناکام دین و ایمان کا پشت پناہ نظر آئے گا اور اس کا خاک و خون میں لتھڑا ہوا سر الٰہی سطوت و جبروت کا علم معلوم ہوگا اور عارف اجمیری کے لفظوں میں سب پر روشن ہو جائے گا کہ ؎

شاہ است حسینؑ، بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ، دیں پناہ است حسینؑ
سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

منقبت حسینؑ

(از جناب مظفر حیدری)

سلام شہید کربلا اے [illegible] حسینؑ
ناز ہے حق کو تری ذات گرامی پر حسینؑ
[illegible] اسوۂ ہادی [illegible] حسینؑ
سلام شہید حریت اے [illegible] دیدۂ ایمان حریت
عصر حاضر [illegible] فلسفہ [illegible] دین کا [illegible] حسینؑ
[illegible] بیدار [illegible] انسان
[illegible] نام [illegible] حسینؑ
[illegible] اسلام [illegible] حسینؑ
کربلا میں [illegible] مصطفیٰ [illegible] دل [illegible] حسینؑ

حسینؑ اور اسلام

(از جناب ڈاکٹر محمد وحید مرزا صاحب ایم۔اے۔ پی۔ ایچ ڈی۔ صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی)

"اسلام خطرے میں ہے" آج کل ہمارے کان اس فقرے سے بخوبی آشنا ہیں اس لیے کہ ہندستان کی موجودہ پُرآشوب فضا اور فرقہ وارانہ کشمکش کی وجہ سے اکثر اسے دُہرایا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ ہندستان کے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات کو اُبھارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں اس سوال پر بحث کرنے کا کوئی محل نہیں ہے کہ اس زمانے میں ہندستان یا کسی اور ملک میں حقیقتاً اسلام کو کوئی خطرہ درپیش ہے۔ لیکن کیا اس سے پہلے واقعی کبھی اسلام کو تباہی اور بربادی کا اندیشہ پیش آیا تھا؟ بلکہ میں پوچھوں گا کہ کیا کبھی بھی اسلام کو اس قسم کے خطرے سے سابقہ پڑ سکتا ہے؟ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک فطری مذہب ہے یعنی ہر انسان کی فطرت میں اسلام کی تعلیم مضمر ہے۔ ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ قرآن یعنی قرآن کی تعلیم یا دوسرے لفظوں میں اسلام ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ سے چلی آئی ہے اور ہمیشہ رہے گی اور دُنیا کی کوئی طاقت اسے نہیں مٹا سکتی اسلیئے کہ خود خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم اسکی حفاظت کرینگے۔ اس کے علاوہ ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے کہ اللہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا خواہ وہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ اس پر ہمیں اسکا پورا یقین ہے کہ اسلام کبھی دنیا سے ناپید نہ ہوگا اور کفر کے طوفان کے سامنے اس کا سر کبھی نیچا نہ ہوگا۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسے نازک موقعے نہیں آئے کہ جب اس کی روشنی کفر و الحاد کی ظلمت سے دھندلی نہ ہو گئی ہو یا اُس کا درخشاں چراغ بادِ مخالف کے تیز جھونکوں سے ٹمٹمانے نہ لگا ہو۔ برخلاف اسکے تاریخ اسلام پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام بعض بہت ہی پُرخطر مقاموں سے گذرتا رہا ہے اور مختلف زمانوں میں اغیار کی یورشوں کا اسے مقابلہ کرنا پڑا ہے لیکن ہر مرتبہ خدا نے اُسے خطرے سے بچا لیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ آب و تاب کے ساتھ دنیا میں اپنی روشنی پھیلانے لگا۔ اسلام کے دشمن خود تباہ ہو گئے اور اُن کے منصوبے خاک میں مل گئے لیکن اسلام زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہیگا۔ اسلام کے آغاز سے لیکر اب تک صدیاں گذر گئیں۔ قومیں بنیں اور مٹ گئیں۔ اسلام کے مجاہد بڑھتے رہے۔ عرب اسی تعلیم کو لے کر دنیا پر چھا گئے۔ اور سقوط بغداد تک اُن کا ڈنکا بحرِ اطلانتک سے لے کر منگولیا کے مرغزاروں تک بجتا رہا لیکن پھر وسط ایشیا سے ایک فتنہ کھڑا ہوا جس نے عربوں کی تہذیب اور تمدن کے قصر کو تقریباً تباہ کر دیا۔ اُس یورش تاتاری کے زمانے میں یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ اب شاید دُنیا میں کوئی اسلام کا نام لیوا باقی نہ رہے گا لیکن خدا کی قدرت دیکھیے اور اسلام کا معجزہ کہ وہی ترک اور مغل جو عربوں کے زوال کا باعث بنے پھر خود اسلام کے سب سے بڑے مجاہد اور سب سے دلیر اور سرفروش سپاہی بن گئے۔ اسلامی تہذیب اور تمدن کو شاید اس موقع پر جو خطرہ درپیش تھا اور جو نقصان اُسے مغلوں کے ہاتھوں پہونچا اُس کی کوئی اور مثال تاریخ اسلام میں ملنا مشکل ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ پہلا خطرہ نہ تھا جو مذہب اسلام کو پیش آیا۔ بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خاص اس موقع پر مذہب اسلام کو اس قدر خطرہ نہ تھا جتنا کہ اسلامی تہذیب اور تمدن کو اس لیے کہ اسلام دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیل چکا تھا اور فرزندانِ اسلام کروڑوں کی تعداد میں دنیا میں موجود تھے۔ تاتاری یا مغل قرآن کے نسخوں کو جلا سکتے تھے لیکن وہ اُس نورِ ایمان کو نہیں بجھا سکتے تھے جو مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ وہ مسجدوں کو مسمار کر سکتے تھے جو مسلمانوں کی جبینوں سے سجدۂ شوق کے داغ نہیں مٹا سکتے تھے۔ وہ اُنکی ہر علم اور فن کی بیش بہا کتابوں کو نذرِ آتش یا دریا برد کر سکتے تھے لیکن اُن کی تہذیب کے زندہ آثاروں کو مسمار نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام اُس وقت ایک چھوٹا سا سرچشمہ نہ تھا جسے آسانی سے بند کیا جا سکے بلکہ ایک موجیں مارتا ہوا دریا تھا جس کے دھارے کو تاتاری زیادہ سے زیادہ ایک رُخ سے دوسرے رُخ پر ڈال سکتے تھے مگر روک نہ سکتے تھے۔ لیکن آغاز اسلام میں اس مذہب کو اور اس کی سچی تعلیم کو بعض بہت ہی نازک دوروں میں سے گذرنا پڑا اور اس وقت اگر تائید ایزدی جس کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا۔ اور سچے مسلمانوں کی ہمتِ مردانہ اسلام کی محافظ نہ ہوتی تو کچھ عجب نہیں کہ یہ مذہب دنیا سے ناپید ہو جاتا یا اگر باقی رہتا تو ایسی مسخ شدہ شکل میں جسے اسکی اصل صورت سے دور کی بھی مناسبت نہ ہوتی۔

قرآن کے اعجاز کے ہم سب مسلمان قائل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ہی قادر الکلام ہو قرآن مجید کے اسلوب اور طرزِ ادا کی نقل نہیں کر سکتا لیکن میرے خیال میں یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "فاتوا بسورۃ من مثلہ" یعنی اس جیسی ایک سورت تو بنا کر دکھاؤ تو اس سے محض اسلوب تحریر یا لفظی فصاحت مراد ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ جو مطالب و معانی قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور جس اچھے پیرائے اور عمدہ طریقے سے اُنھیں ادا کیا گیا ہے وہ انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اعجازِ قرآن اصل میں تعلیم اسلام کا اعجاز ہے یا دوسرے لفظوں میں دنیا کی کوئی کتاب خواہ وہ انسانی زورِ قلم اور قدرتِ ذہن کا نتیجہ ہو یا اُس کا سرچشمہ الہام آسمانی ہو قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ویسی اعلیٰ تعلیم ایسا مکمل نظامِ زندگی پیش نہیں کر سکتی۔ اور یہ محض عقیدے کی بات نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اگر ہم اُس انقلاب کو پیش نظر رکھیں جو کہ اسلام نے نہ صرف عرب کی حالت میں بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کے عقائد اور خیالات میں پیدا کیا تو ہمیں قرآن یا تعلیم اسلام کے معجزے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ عربوں کی حالت اسلام سے پہلے کیا تھی؟ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ عرب اسلام سے پہلے ایک محض وحشی اور غیر مہذب قوم تھے اور ان میں کوئی بھی قابلِ تعریف انسانی صفت موجود نہ تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ آغازِ اسلام سے صدیوں پہلے عرب اور خصوصاً عرب کا جنوبی حصہ ایک بڑی تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا۔ اگرچہ

رسول اللہ کی بعثت سے پہلے یہ تہذیب زیادہ تر غائب ہو گئی تھی تو بھی عربوں میں بہت سے قابل ستائش خصائل موجود تھے۔ اُن کی بہادری اور جوانمردی ضرب المثل تھی۔ چنانچہ جاہلیت کے ایک مشہور شاعر اور بہادر عنترہ بن شداد کا قصہ آج تک بھی مصر اور عرب کے قہوہ خانوں میں اُسی ذوق و شوق سے سنا جاتا ہے جیسے کہ صدیوں پہلے سنا جاتا تھا۔ وہ مہمان نواز اور فیاض تھے اور اسی لیے حاتم الطائی اور کعب بن سامہ کا نام اب تک زبان زد خلائق ہے۔ عہد کی پابندی اور وعدے کی وفا اُنکا ایمان تھا۔ سموأل بن عادیا کا قصہ اُن کی اس صفت کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتا ہے۔ وہ اپنی اور اپنے خاندان یا قبیلے کی عزت کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے خصوصاً عورتوں کی عزت و ناموس کا وہ بے انتہا خیال رکھتے تھے اور جب اُنکا ایک شاعر یہ کہتا ہے کہ "ہماری عورتوں کے ہودج اکثر سواروں کے نیزوں اور تلواروں کے درمیان حفاظت سے گذرتے ہیں" تو یہ محض شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ اظہار واقعہ ہے۔ جہاں تک عقائد مذہبی کا تعلق ہے یہ ضرور ہے کہ اُس زمانے کے عرب توہم پرستی میں گرفتار تھے اور بتوں کو پوجتے تھے یہاں تک کہ خود خانہ کعبہ میں متعدد صنم مختلف شکلوں اور صورتوں کے لاکر رکھ دیے گئے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ ایک بڑے دیوتا یا اللہ کی ہستی کے بھی قائل تھے اور اُن میں چند لوگ جو اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے خدا کی وحدانیت کو بھی مانتے تھے۔ پھر وہ کیا خرابیاں تھیں اور کیا خامیاں تھیں جنہیں مٹانے اور دور کرنے کے لیے رسول خدا مامور ہوئے اور اسلام کا وہ کونسا کارنامہ تھا کہ جسے ہم "معجزے" کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ اگرچہ رسول اللہ عرب میں مبعوث ہوئے اور قرآن کی بعض آیتوں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اُن کو ابتداءً عرب قوم کی اصلاح اور تعلیم کے لیے مامور کیا گیا لیکن رسول اللہ کا مشن حقیقت میں عرب قوم تک محدود نہ تھا بلکہ آپ کو جیسا کہ قرآن کی بعض اور آیتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم مذاہب عالم کے نشو و ارتقا پر ایک گہری نظر ڈالیں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ زمانے کی اور طرح کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہب بھی ترقی پذیر رہا اور دنیا نے قدیم توہم پرستی، مثلاً ارواح کی پرستش، یا درختوں اور پتھروں کی پوجا یا بعض مناظر قدرت مثلاً چاند سورج اور ستاروں وغیرہ کی عبادت سے اُس پاک اور بے لوث وحدانیت کے عقیدے تک جسے سب سے پہلے اسلام نے دنیا میں پھیلایا بیسیوں منزلیں اور مراحل طے کیے ہیں اور اسی لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ خاتم النبیین تھے یعنی مذہب اسلام ایک ایسا مکمل اور جامع مذہب ہے کہ جس میں کسی طرح کی کوئی خامی باقی نہیں رہی کیونکہ خدا خود کہتا ہے کہ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً" یعنی آج کے دن میں نے تمہارے مذہب کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تمہیں پوری دے دی اور مذہب اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا۔ اس لیے اگر ہم صحیح معنی میں مذہب اسلام کے معجزے کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی توجہ محض جاہلیت کے زمانے کے عربوں کی طرف مرکوز نہ کرنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ دنیا میں عام طور پر مذہب اسلام نے کیا اثر ڈالا اور کس طرح انسانوں کی ذہنیت کو بدل دیا لیکن یہ ایک بہت طویل مضمون ہے اور اس مختصر مقالہ میں اس پر کافی روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔ مختصر طور پر میں یہ کہوں گا کہ انسانی عقائد اور خیالات میں اسلام کی تعلیم سے ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ جو کسی مذہب کی تعلیم سے نہیں ہوا تھا۔ خود عربوں کا جہاں تک تعلق ہے ہمیں یہ امر فراموش نہ کر دینا چاہیے کہ اُنکی اُن صفات میں جن کی خوبی کے ہم معترف ہیں برائی کی آمیزش ضرور تھی وہ فیاض اور مہمان نواز ضرور رہتے لیکن اُس کے ساتھ ہی دنیاوی مال و دولت کے حریص تھے اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے مال کو لوٹنا اپنا ایک فرض منصبی خیال کرتا تھا۔ وہ بہادر اور جنگجو تھے مگر اُنکے دلوں میں رحم اور عفو گناہ کا مادّہ بہت کم تھا۔ اور انتقام کو وہ ایک بہت ضروری اور قابل فخر چیز سمجھتے تھے۔ وہ اپنے قبیلہ کی عورتوں کی عزت و حرمت کو ہر طرح بچانے کو تیار تھے لیکن اپنے دشمن قبیلوں کی عورتوں کو اور مال غنیمت کے ساتھ پکڑ کر لے جانا اُن کے لیے ایک معمولی بات تھی۔ وہ انکسار اور فروتنی کے مفہوم سے ناآشنا تھے وہ انسانوں کی مساوات کے قایل نہ تھے بلکہ نسب انکے نزدیک سب سے اہم چیز تھی۔ اس کے علاوہ اور طرح طرح کی اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں جو ایک زوال پذیر سوسائٹی میں اکثر دیکھنے میں آتی ہیں مثلاً بدچلنی، شراب خواری اور قمار بازی ان میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن اجتماعی نقطہ نظر سے سب سے بڑی خرابی اس زمانہ کے عربوں میں یہ تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں پراگندہ تھے، ان کا مطمح نظر خاندان یا قبیلے کے دائرہ تک محدود تھا، ان میں قبائلی عصبیت بہت قوی تھی۔ لیکن وہ وسعت نظر اور فراخ حوصلگی، وہ اولوالعزمی اور وہ اخوت نہ تھی۔ جو ایک ملک کے آدمیوں کو ایک زبردست اور عظیم الشان قوم بنا سکتی ہے۔ اور اس لئے اگر ہم اپنی نظر کو محض عرب قوم تک ہی محدود رکھیں تو بھی ہمیں اسلام کے معجزے کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ کہاں عرب کے بادیہ نشین اور کہاں قیصر و کسریٰ کے محل لیکن یہ واقعہ ہے کہ ظہور اسلام کے چند سال کے اندر ہی یہ محل عرب گھوڑوں کے سموں کی ٹاپ سے گونج رہے تھے اور اسلام کا پرچم اگر ایک طرف بحر اوقیانوس کی موجوں پر لہرا رہا تھا تو دوسری طرف ملتان کے صنم خانے پر پرواز کر رہا تھا۔ اب وہی عرب جو کبھی حقیر و ذلیل تھے بڑے بڑے سرکش بادشاہوں کی گردنوں کے مالک تھے اور بڑے بڑے شہنشاہ اُنکے باج گزار تھے۔ ان کی ہر خصلت - ہر کردار اس طرح بدل گئی تھی کہ جیسے جادو کے زور سے کسی چیز کی قلب ماہیت کر دی جائے۔ اب اُنکے نزدیک امیر اور غریب سب یکسان تھے اب وہ نسب کو نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو سب سے بڑی فضیلت اور بزرگی سمجھتے تھے۔ اب قبیلوں اور قوموں کے تفرقے مٹ گئے تھے اور ہر شخص جو اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے خواہ وہ ایرانی ہو یا تاتاری، یونانی ہو یا حبشی ایک خالص اور عالی نسب عرب کا ہم پلّہ تھا۔ وہ اخلاقی برائیاں جو بظاہر ان کے رگ و پے میں پیوست ہو چکی تھیں غائب ہو گئیں اور اُنکی جگہ وہ خوبیاں جو قرآن سکھاتا ہے ان کے دلوں میں سرایت کر گئیں۔ یہ سب کچھ ہوا مگر بنی نوع انسان کی یہ عجیب بدقسمتی ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم اور بہتر سے بہتر ہدایت بھی تمام افراد کے دلوں کو متاثر کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اسے فطرت انسانی کا خاصہ کہا جائے

یا شقاوت ازلی کہا جائے مگر یہ واقعہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر دور میں جو رہبر اور ہادی انسانوں کی اصلاح اور بہبود کے لیے ساعی ہوئے انھیں مخالفت اور عناد کا سامنا کرنا پڑا اور باوجود ان کی تعلیم کی صریح اور بیّن خوبیوں کے کچھ تعداد ایسے لوگوں کی اُنکے وقت میں ضرور موجود رہی کہ جو ہٹ دھرمی سے ان سے برسرِ پیکار رہی۔ اُنکے کان تھے مگر وہ سنتے نہ تھے، آنکھیں تھیں مگر نہ دیکھتے تھے، حساس دل تھے مگر غور نہ کرتے تھے، اسلام کا ابتدائی دور بھی اس قسم کے معاندین سے خالی نہ تھا۔ ہزاروں عرب ایسے تھے جو فتح مکہ تک اپنے کفر پر قائم رہے اور اسکے بعد مسلمان بھی ہوئے تو بادل ناخواستہ یہی وہ لوگ تھے جن کی نسبت قرآن بار بار رسول اللہ کو متنبہ کرتا ہے اور مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے کہ اگرچہ اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ تمھارے ساتھ ہیں لیکن حقیقت میں وہ تمھارے ساتھ نہیں ہیں۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو ہمیشہ کسی ایسے موقع کی تاک میں رہتے تھے کہ بانیٔ اسلام اور حقیقی پیروان اسلام کو زک پہونچائی جا سکے۔ رسول اللہ کی زندگی میں انھیں یہ موقع نہیں ملا۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد اچھا موقع ہاتھ لگ گیا۔ میں اس پر کوئی محاکمہ کرنا خلافِ محل سمجھتا ہوں کہ امیر معاویہ کی حضرت علیؓ سے مخالفت بیجا تھی یا بجا۔ لیکن بحیثیت ایک تاریخ کے متعلم کے میں یہ ضرور سمجھتا ہوں کہ اہل حجاز یعنی مکہ اور مدینہ کے باشندے یقیناً اہل شام سے زیادہ اچھے مسلمان تھے۔ نیز یہ کہ بنی امیہ کی مخالفت سے اُن نیم مسلمانوں کو جن کا میں ذکر کر چکا ہوں ایک بہت اچھا موقع اپنے تعصب و عناد کے اظہار کا ہاتھ آگیا۔ اب ان لوگوں کی مخالفت ایک نئے رنگ میں ظاہر ہونا شروع ہوئی۔ اب وہ زمانہ گذر چکا تھا کہ عرب دوبارہ اپنے پرانے مذہب کو اختیار کر لیں اور اسلام کو کھلم کھلا خیرباد کہدیں۔ اب اسلامی حکومت کافی مضبوط ہو گئی تھی اور اسلام کو ترک کرنا ہلاکت اور تباہی کو دعوت دینا تھا۔ اب یہ مخالفانِ اسلام اس پر مجبور تھے کہ ظاہری علامات اسلام کو قائم رکھیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔ لیکن اُن میں بہت سے دل میں ویسے ہی کافر اور منکر اسلام تھے جیسے انکے وہ آباؤ اجداد جو غزوۂ بدر اور احد میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اُن کے لبوں پر کلمۂ اسلام تھا لیکن اُن کے سینوں میں وہی جاہلیت کے خیالات اور میلانات پوشیدہ تھے۔ اگر آپ اسوقت کے حالات پر غور کریں تو آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ صورت بہت خطرناک تھی اسلیئے کہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر اُس کی مخالفت اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہونچا سکتی تھی جتنا کہ اُس کے اندر رہ کر، کیونکہ اگر پہلی صورت میں یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ اسلام کے سیاسی وقار اور حکومت کو نقصان پہونچے تو اب یہ خطرہ درپیش تھا کہ کہیں ہمیشہ کے لیے اسلام کی نوعیت ہی بدل جائے اور بجائے اُس اعلیٰ اور خالص مذہب کے جو قرآن کے سیپاروں میں محفوظ ہے ایک نیا مذہب جس میں کفر و الحاد اور فسق و فجور کی بکثرت آمیزش ہو اس نام سے دنیا میں باقی رہ جاوے۔

جب تک امیر معاویہ زندہ رہے حالات زیادہ خراب نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ امیر معاویہ میں چاہے جو برائیاں نظر آئیں وہ صحابیٔ رسول اللہ تھے، اس کے علاوہ وہ دور اندیش اور صلح جو آدمی تھے۔ شام کی حکومت بھی

پہلے ہی مل گئی تھی اور حضرت علیؓ کے انتقال کے بعد جو معاہدہ انکا حضرت امام حسنؑ سے ہوا اُس کی رو سے وہ تمام سلطنت اسلامی کے مالک ہو گئے تھے۔ اب انھیں اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ حجاز کے مسلمانوں یا خود اہلبیت سے مخالفت کا اظہار کریں۔ اسکے علاوہ انھوں نے ظاہراً طور پر کبھی شعائر اسلامی کی توہین نہیں کی اور دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے جب خود رسول اللہؐ سے یہ کہا جاتا ہے کہ "تو انھیں (یعنی) منافقین کو نہیں جانتا بلکہ اللہ جانتا ہے" تو ہم آج تیرہ سو سال بعد بیٹھ کر کیسے طرح فیصلہ کر سکتے ہیں کہ امیر معاویہ اچھے مسلمان تھے یا نہیں۔ علاوہ اسکے اُن کا ذاتی کردار ہمارے موضوع سے زیادہ تعلق بھی نہیں رکھتا۔ مگر امیر معاویہ نے ایک بات ضرور ایسی کی کہ جس پر ہم معترض ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ تھی کہ انھوں نے یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ قبل اسکے کہ میں یزید کے متعلق کچھ اور کہوں میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اسلام کے شروع سے حاکم اسلام دین اور دنیا دونوں کا مقتدا سمجھا جاتا رہا تھا۔ مذہب اور سیاست کا یہ اجتماع عقلمندانہ اصول پر مبنی تھا یا نہیں، یہ ایک مختلف فیہ بات ہے جس کے متعلق میں اپنی رائے کا اظہار ضروری نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ اصول عام طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا اور اس لیے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ خلیفۂ اسلام میں علاوہ سیاسی قابلیت کے مذہبی اور دینی صفات بھی بدرجۂ اتم موجود ہوں یا کم از کم اگر وہ تقویٰ اور پرہیزگاری میں اور مسلمانوں کے لیے ایک اسوۂ حسنہ نہ پیش کر سکے تو اسلام کے اصولوں سے منحرف بھی نہ ہو۔ اور یہ سب کو معلوم تھا کہ یزید اس لحاظ سے کسی طرح بھی مستحق خلافت نہیں تھا۔ وہ ایک بدوی عورت کا بیٹا تھا اور اُس نے اپنا بچپن صحرا میں بدویوں کے درمیان گذارا تھا۔ ان بدویوں میں بہت سے نیم مسلمان اب تک موجود تھے جو بدستور زمانۂ جاہلیت کے عقائد اور طرز و طریقہ کے دلدادہ تھے اور یزید نے بھی شروع سے وہی عقائد اور خیالات اختیار کیے تھے۔ وہ شراب کا عادی تھا اور اپنے عیش و عشرت میں کبھی اصول مذہب کو مخل نہ ہونے دیتا تھا، اس کے لیے دنیا سب کچھ تھی اور دین کچھ نہ تھا۔ پھر ظاہر ہے کہ وہ کس طرح خلیفۂ اسلام کہلانے کا مستحق ہو سکتا تھا؟۔ علاوہ اس کے یزید کا یہ طریقہ اُسی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک بڑی جماعت کا نمایندہ تھا جو ہر طرح سے اسلام کی بیخکنی کے لیے تیار تھی یعنی اُن ہی منافقین اور مخالفین اسلام کا جن کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اُس کے دور حکومت میں کفر و الحاد، فسق و فجور کے لیے کوئی مانع نہ رہا تھا اور یہ خرابی تمام حکومت اسلامی میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔ یہ اسلام کے لیے بحران کا وقت تھا۔ اس سے پہلے کوئی ایسا نازک زمانہ نہ آیا تھا۔ کچھ مسلمان حیران اور خائف تھے کہ اس طوفان کا کس طرح مقابلہ کریں اور کس طرح اس بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکیں۔ وہ اپنے ایمان کو بچائے ہوئے اپنے مامن میں بیٹھے تھے لیکن یہ اُن کی طاقت سے باہر تھا کہ وہ عوام کو اس فتنے سے بچا سکیں اور اُن کی جائے پناہ بھی یزید اور اُس کے ہوا خواہوں کی دستبرد سے محفوظ نہ تھی بلکہ جابر حکومت کا ہاتھ انھیں ذرا ذرا اُچک کر لے جاتا تھا، اگر یہی صورت کچھ عرصہ اور رہتی

تو یکے بعد دیگرے مسلمان یکے بعد دیگرے دُنیا سے رخصت ہوجاتے اور پھر اسلام سوائے قرآن کے نسخوں کے دُنیا میں کہیں نظر نہ آتا مگر خدا کو اسلام کو بچانا منظور تھا اور اس لیے اس نازک وقت میں اُس نے ایک ایسے شخص کو چن لیا جو ہر لحاظ سے اسلام کا یاور و مددگار بننے کا مستحق تھا - وہ شخص حضرت امام حسینؑ تھے۔

حضرت امام حسینؑ اور مخلص مسلمانوں کی طرح اب تک اس کفر و الحاد کے فروغ کو دور سے دیکھتے رہے تھے - لیکن دل میں یہ تہیہ ضرور کر چکے تھے کہ وہ اس کا مقابلہ کریں گے اور اپنے نانا کے عزیز مذہب کو تباہی سے بچانے کے لیے ہر ممکن قربانی کریں گے - وہ موقع کے منتظر تھے اور یہ موقع اُنھیں جلدی مل گیا کیونکہ یزید یہ بھی گوارا نہ کر سکا کہ وہ الگ تھلگ مدینہ میں اپنا دامن اس سیلاب معصیت سے بچا کر بیٹھے رہیں بلکہ اسیر مصر ہوا کہ وہ اُس کی بیعت کریں اور اس طرح اُسے خلیفہ برحق تسلیم کر لیں - اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا کہ حضرت امام حسینؑ اپنے سکوت کو توڑیں اور اپنی جائے پناہ کو چھوڑ کر میدان جہاد میں اُتر آئیں - اُنھیں دُنیاوی کوئی لالچ نہیں تھا - اگرچہ خلافت کے وہ ہر طرح حقدار تھے لیکن اُنھیں اس کا بھی ملال نہ تھا کہ وہ اُنھیں نہیں ملی - وہ نام و نمود کے خواہاں نہ تھے، رسول اللہ کے نواسے کو نام و نمود کی کیا خواہش ہو سکتی تھی؟ وہ عیش و عشرت کے جویاں نہ تھے جن کی والدۂ محترمہ نے تمام عمر عسرت اور تنگی میں گزار دی اُنھیں آرام اور عیش کی کیا خواہش ہو سکتی تھی اور اب آپ کی وہ عمر بھی نہ رہی تھی جس میں ان چیزوں کا لالچ انسان کو ہو سکتا ہے - نہیں یہ محض خوش عقیدگی نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا یزید کے خلاف جہاد محض حق کی حفاظت کے لیے تھا اور اگر کوئی مسلمان اس کے خلاف رائے رکھتا ہے تو وہ غلطی پر ہے۔

امام حسینؑ کے جہاد کا جو نتیجہ ہوا وہ آپ سب کو معلوم ہے، میں نہیں چاہتا کہ اُن دلدوز اور روح فرسا واقعات کو دُہراؤں جو دشت کربلا میں اُن کو اور اُن کے اہل و عیال کو پیش آئے، دنیا نے اُس وقت یہ دیکھا کہ ایک مٹھی بھر آدمیوں کو ایک لشکر جرار نے نیست و نابود کر دیا، دنیا نے شاید یہ سمجھا ہو کہ حضرت امام حسینؑ کو کوفہ کے لوگوں نے دھوکا دیا اور وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے، دنیا شاید یہ بھی کہتی ہو کہ آپ نے اس جہاد کو اختیار کر کے اپنے آپ کو اور اہلبیت کو خواہ مخواہ تباہی اور مصیبت میں ڈالا - مگر اُس وقت بھی جو لوگ بصیرت رکھتے تھے وہ حضرت امام کے اصل مقصد سے بخوبی آگاہ تھے اور وہ اُن کی قربانی کی اہمیت کو سمجھتے تھے اور جب وہ غبار جو میدان جنگ پر بادل کی طرح چھایا ہوا تھا دور ہو گیا، جب وہ تلواریں جو خون ناحق کے لیے میانوں سے کھینچی گئی تھیں خشک ہو گئیں اور جب وہ فتح و کامیابی کا خمار جو یزید اور اُس کے پیروؤں کے دماغ پر حاوی تھا دور ہو گیا تو یہ بات تمام دُنیا پر روشن ہو گئی کہ اُن کی قربانی رائیگاں نہیں گئی، حضرت امام حسینؑ میدان سر نہ کر سکے لیکن فتح کا سہرا اُنہی کے سر رہا اس لئے کہ اس جنگ میں حق باطل پر غالب آیا - مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اُس خواب غفلت سے بیدار ہو گئے جس میں وہ عرصے سے پڑے تھے - کربلا کے واقعہ سے یزید کی دنیاوی حکومت کا خاتمہ نہیں ہوا اور نہ خاندان بنو امیہ کی سلطنت فوراً تباہ و برباد ہوئی لیکن دنیا پر یہ ظاہر ہو گیا کہ یزید اور اس کے پیرو اسلام کو کس راستے پر لے جا رہے تھے اور اپنی ذاتی منفعت اور دنیاوی خواہشات کے لیے وہ کیا کچھ کرنے کو تیار تھے، واقعہ یہ ہے کہ اگر امام حسینؑ یہ بڑی قربانی نہ کرتے تو آج دنیا کے مسلمان غالباً یزید کو بھی خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کے القاب سے یاد کرتے، معصیت اور نیکی کا معیار ہی کچھ اور ہو جاتا، ایمان اور کفر کی تمیز باقی نہ رہتی، باطل حق ہو جاتا اور حق باطل، لیکن خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اسلامؑ کو تباہی سے بچا لیا،

افسوس اسی بات کا ہے کہ کیوں اس قربانی کی ضرورت پیش آئی! کیوں اہل بیت رسول خود اسلام کے نام لیواؤں کے ہاتھوں بیکس و بیچارہ شہید و تاراج ہو جائے؟ کیوں نہ کوئی اور صورت اسلام کو بچانے کی پیدا ہوئی؟ مگر یہ اختیارات خدائی ہیں جن میں ہمیں دخل دینے کا یارا نہیں ہے سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ اُسے یہی منظور تھا، اور اس میں اُس کی کوئی حکمت مستور تھی۔

آج تیرہ سو سال بعد جب ہم شہادت حسینؑ کو یاد کرتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رنج و الم کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ہماری آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اس لیے کہ کون ایسا سنگدل انسان ہے جو کربلا کے مصائب سے متاثر نہ ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ہمارے سر اس فخر و مباہات سے بلند ہو جاتے ہیں کہ ہم میں سے ایک انسان نے دنیا کی سب سے بڑی قربانی کر کے دنیا کی سب سے زیادہ قیمتی چیز یعنی اسلام کو پھر زندہ کر دیا اور اس طرح زندہ کر دیا کہ جب تک دنیا قائم ہے وہ بھی قائم رہے گا اس لیے کہ جب تک دنیا قائم ہے ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو واقعہ کربلا یاد رہے گا۔

فخر

(از جناب ذاکر فتحپوری)

تیر کھا کر مسکراتا ہوں اصغر کی گود میں
کوئی ہے جو نور عزم اصغری کو چھین لے

کوئی ہے شبیرؑ سا مرد شجیع و حق رسا
سر کٹا کر۔ کفر کی جو خود سری کو چھین لے

گود میں تاریخ کی ایسا پدر ہے ہنس کے جو
قلب سے بیٹے کے برچھی کی انی کو چھین لے

کوئی غم دنیا کا ایسا ہو تو آئے سامنے
فاطمہؑ کے زخموں کی جو تازگی کو چھین لے

یہ صف ماتم جہاں میں آہنی دیوار ہے
کون ہے؟ ہم سے حسینؑ ابن علیؑ کو چھین لے

حضرتِ امام حسینؑ اور استحقاق خلافت

(از جناب محمد صادق حسین صاحب بی اے (علیگ) مصنف ثانی زہرا۔ جنگ جمل و جنگ صفین وغیرہ)

حقیقت امر تو یہ ہے کہ خلافت الٰہی منصب ہے جو اُس کی جانب سے کسی معصوم ذات کو تفویض ہوتا ہے اور اس لحاظ سے خلافت کے لیے صرف نص الٰہی اور بیان رسولؐ کی ضرورت ہے جو مجمع علیہ روایات سے پیغمبر اسلام کی زبانی اہلبیت کے بارہ اماموں کے متعلق نام بنام ثابت ہے اور اُس کی بنا پر امام حسنؑ کے بعد امام حسینؑ اس منصب پر متمکن ہو گئے خواہ دنیا تسلیم کرتی یا نہ تسلیم کرتی لیکن اگر اس مذہبی حقیقت سے قطع نظر کی جائے اور اُن افراد کے نقطۂ نظر سے جو خلافت کو منصوص من اللہ نہیں سمجھتے دیکھا جائے تب بھی فرزند اصغر رسول الثقلینؐ حضرت ابی عبداللہ الحسینؑ مختلف اصولوں اور متعدد طریقوں سے مستحق خلافت ثابت ہوتے ہیں جن میں سے چند اسباب کو ہم مختصراً ذیل میں لکھتے ہیں:۔

(۱) سب سے پہلے ان کی حیثیت اس باب خاص میں ان کے نسبی اور خاندانی خصوصیات میں مضمر ہے اور جس کے کسی قدر بہ آسانی سمجھنے کے لیے تم ذیل کے نسب نامہ پر غور کرو۔

حسنؑ و حسینؑ فرزندان علیؑ بن ابیطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن غالب بن فہر بن مالک۔

یہ چودہ پشتوں کا ان کا سلسلہ نسب ہے۔ اس کے بعد عدنان تک تو مورخین کے نزدیک سلسلۂ نسب مسلم ہے اور عدنان کا اولاد اسمٰعیل سے ہونا بھی تسلیم ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ عدنان سے اسمٰعیل تک کتنی پشتوں کا فرق ہے۔ علامہ جوانی عالم علم الانساب نے اس مسئلہ میں جو قول مختار نقل کیا ہے اس کے اعتبار سے یہ نو پشتیں ہوتی ہیں اور بعض مورخین مثلاً ابوالفدا وغیرہ نے اس خاندان کے مورث اعلیٰ اور جد امجد جناب ابراہیم تک تقریباً ستر یا بہتر پشتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

نسب نامہ کے اس تذکرہ کے بعد اب کسی قدر غیر متعلق بات یہ قابل تذکرہ ہے کہ کعبہ اور اس کی بنیاد اس کی تکمیل اور اس کا انتظام و اہتمام اگر اور پہلے سے نہ فرض کیا جائے تو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے تو مجبوراً تسلیم کرنا ہو گا۔

ان اول بیت وضع للناس۔ قرآن حکیم جس کو دنیائے آب و گل کا پہلا مکان بتاتا ہے۔ پھر اس کی تعمیر کا مقصود اصلی خود قرآنی الفاظ ہدی للعالمین ہو آیت عالمین ہے۔ پھر انبیا ئے اولوالعزم کو مع جب اسمٰعیل حکم اس کی طہارت خصوصی کا ان الفاظ میں دیا گیا ہے کہ طہرا بیتی ہمارے گھر کو پاک و صاف کرو۔ کسی گھر کو جناب رب الارباب اپنا گھر فرمائے درانحالیکہ وہ لامکان ہے تو یہ اس مکان کی منزلت اور عزت اور بلندی کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے۔

ایسے محترم اور مقدس گھر کا انتظام اور انصرام جن مخصوص افراد سے متعلق رہا اس سلسلۂ زریں میں پہلی جگہ تو خود حضرت خلیل کی تھی اور ہے اور جو جناب رسالتمآبؐ کے مورث اعلیٰ بھی ہیں اور حضرت حسینؑ کے جد امجد بھی ہیں جن سے اس نسل کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد سے برابر اور مسلسل یہ مقدس خدمت امام ہمام اور ان کے تمام سلسلۂ نسل میں براہ راست اور برابر ثابت ہوتی ہے جس کے ثبوت میں ہم اس مہتم بالشان صورت حالات کو صفحات تاریخ سے تفصیل اور تشریح کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

(ا) - فرزند رسول سے تیرہ نسل قبل فہر بن مالک ہی وہ مخصوص مورث اعلیٰ معلوم ہوتے ہیں جن کی نسل قریش کے نام سے مشہور اور معروف ہوئی اور ہے۔

ب - فہر کے بعد نہ یہ ملقب بہ قصی بن کلاب قریش میں ایک جوانمرد اولوالعزم انسان نمودار ہوئے اور انھوں نے دعویٰ کیا کہ حکومت مکہ اور خدمت کعبہ ہمارا ہی حق ہے (جس طرح ہمارے آبا و اجداد کا تھا) پھر انھوں نے تمام قریش کو جو گھاٹیوں میں منتشر اور پراگندہ آباد تھے میدان مکہ میں جمع کیا اور ترتیب کے ساتھ آباد کیا۔ اور خزاعہ اور بنی بکر کا دور حکومت ختم ہو کر جنگ و صلح میں قصی مستقل میر مکہ اور خادم بیت اللہ قرار پائے۔ یہ ہوشمند حکمراں تھے۔ دارالندوہ جہاں قریش اپنے معاملات کے تصفیہ کے لیے جمع ہوتے تھے آپ ہی نے تعمیر کیا تھا۔ آپ نے یہ طریقہ بھی رائج کیا کہ قوم سے چندہ لے کر جمع کیا جاتا اور حج کے ایام میں یہ رقم صادر و وارد کی مہمانداری میں صرف کی جاتی تھی۔

(ج) - قصی کی وفات پر ان کے فرزند مغیرہ جن کا لقب عبد مناف مشہور ہے اپنے والد کے جانشین ہوئے اور قریش میں ان کی سرداری مسلم تھی۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ ہاشم عبد شمس مطلب اور نوفل۔ منجملہ ان چار کے دو یعنی عبد شمس اور ہاشم ایک ساتھ پیدا ہوئے تھے ایک کی انگلی اور دوسرے کی پیشانی چسپاں تھی جس کو تلوار سے علیٰحدہ کیا گیا اور جس سے خون جاری ہوا۔ اور اُسی وقت یہ پیشینگوئی کی گئی کہ فی ما بین تلوار چلے گی اور خونریزی ہو گی۔ (ابوالفدا - ابن الوردی - ابن اثیر)

د - عبد مناف کی رحلت پر ان کے بیٹے ہاشم ان کے قائم مقام اور جانشین ہوئے۔ ان کا اصلی نام عمرو اور لقب ہاشم ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک وقت میں قریش مصیبت قحط میں مبتلا ہوئے تب آپ فلسطین سے آٹا خرید کر لائے اور قحط زدہ قوم کی پرورش کا یہ طریقہ نکالا کہ اونٹ کے گوشت کا شوربا جس میں روٹیاں توڑ کر ڈال دی جاتی تھیں دسترخوان عام پر کھلائی جاتی تھیں اور سب کے سب سیر کیے جاتے تھے چنانچہ اس عہد کے مشہور شاعر ابن الزبعری نے اس واقعہ پرورش قوم کو اس طرح نظم کیا ہے۔

عمرو الذی ھشم الثرید لقومہ ورجال مکۃ مسنتون عجاف۔

یعنی عمرو وہی شخص ہے جس نے اپنی قوم کو شوربے میں روٹیاں بھگو کر ایسے وقت میں

کھلائی جب وہ قحط سے نحیف ونزار ہوگئی تھی۔ اُس وقت کے اور بھی شعرائے اس جود وسخا خصوصی کی مدح کی۔ سوء اتفاق سے چچا کی یہ شہرت وناموری اسکے لائق بھتیجے امیہ کو از حد ناگوار ہوئی اسلئے اور بھی کہ بعض تیز طبیعتوں اور شوخ چشموں نے اس کو طعنہ دیا اس موقع خاص کے وقت قوم کی کوئی امداد نہ کرنے کا۔

بہرحال حکومت مکہ اور تولیت کعبہ ہاشم سے متعلق تھی اور سقایہ اور رفادہ بھی (اسی طرح جس طرح آپ کے آبا واجداد سے) وہ سخی بھی تھے اور غیور بھی۔ بہادر بھی تھے اور قوم کے سردار بھی۔ ہاشم کا یہ عروج خصوصیت کے ساتھ ان کے بھتیجے امیہ کو بیحد ناگوار تھا اور سوہان روح تھا اور جیسا کہ اوپر کی سطروں میں تذکرہ کیا گیا چچا کی قوم کی ضیافت اور افراد قوم کا بھتیجے کو چھیڑنا اور اس باب میں اسپر تعریض کرنا اس کی طبیعت کے لئے اور تازیانہ ثابت ہوا اور حسد ومعاندت کے جراثیم چچا کے خلاف بھتیجے کے دل ودماغ میں پرورش پانے لگے۔ امیہ کی ان حرکات پر ہاشم چشم پوشی اور بزرگانہ اعراض بھی کرتے تھے مگر دشمنی اور حسد کی آگ روزانہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک نقطہ ایسا آگیا کہ چچا اور بھتیجے کے ایک جگہ کے مستقل قیام میں نتائج تلخ پیدا ہوجانے کے امکانات پیدا ہوگئے۔ اس تلخ صورت حالات نے بالآخر بات کو اتنا بڑھایا کہ اب گفتگو یہاں تک پہونچی کہ ایک پچاس اونٹ ذبح کرکے قوم کی ضیافت کرے اور دوسرا مکہ چھوڑدے۔ ان دونوں میں سے کون ضیافت قوم کرے اور کون مکہ کی سکونت ترک کرے یہ معاملہ ایک ثالث محول کردیا گیا۔ منحصر علیہ نے امیہ کے لیے ترک وطن (دس سال کے لئے) اور ہاشم کے لیے قوم کی ضیافت کا فیصلہ صادر کیا اور اس طرح امیہ نے وطن چھوڑا اور یہ مدت اس نے شام میں گذاری۔

تاریخی اعتبار سے عبدشمس اور ہاشم کی ولادت کے سلسلہ میں فریقین میں خونریزی کی پیشینگوئی کے بعد امیہ کا یہ اخراج وطن بنی امیہ اور بنی ہاشم کی مخالفت اور معاندت کی دوسری انیٹ ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی ابتدا قحط کے موقع پر قوم کی وہ ضیافت تھی جو ہاشم نے کی تھی۔

بہرحال ہاشم غیور اور مدبر سردار تھے۔ انھوں نے قوم کو مرفہ حال بنانے کے لیے تجارت کی جانب توجہ دلائی۔ اور آپ ہی کی تحریک سے سال میں دو بار تجارت کے لیے قریش کے قافلے شام وغیرہ جاتے تھے چنانچہ حبشہ اور یمن اور ایران کی حکومتوں سے بھی اس طرح کے تجارتی معاہدے کیے گئے تھے۔

سفر کی حالت میں آپ کا انتقال شام میں ہوا اور آپ کے صاحبزادے (شیبہ) چونکہ اسوقت طفل شیرخوار تھے اس لیے ہاشم کے بھائی مطلب ان کے جانشین ہوئے۔ وہ بھی قوم میں سردار اور محترم قرار پائے۔

مطلب کی وفات پر ان کے بھتیجے عبدالمطلب ان کے قائم مقام ہوئے۔ آپ بڑے عالی ہمت۔ اولوالعزم اور پرہیزگار تھے چشمۂ زمزم جو عرصہ سے تباہ ہوا تھا آپ ہی کی کد وکاوش سے پھر جاری ہوا۔ یتیم عبداللہ (محمدؐ) کی پرورش بھی آپ سے مخصوص طور پر متعلق تھی۔ اور اپنے مرحوم فرزند عبداللہ کی اس نشانی سے آپکو بے حد محبت اور خصوصیت تھی۔ یہاں تک کہ پوتا بے تکلف دادا کی مسند حکومت پر بیٹھ جاتا تھا اور لوگ منع کرتے تو آپ فرماتے کہ اسکو وہاں رہنے دو یہ سرداری کا احساس کرتا ہے۔

بنی مدلج کے قیافہ شناسوں نے ایک بار عبدالمطلب کو آگاہ کیا کہ آپکے اس پوتے کا نقش قدم اس نشان قدم سے بہت مشابہ ہے جو کعبہ میں مقام ابراہیم کے پاس ہے اس لیے آپ کو اس کی حفاظت کرنا چاہیے۔ یہ سن کر آپ نے اپنے دوسرے بیٹے (ابوطالب) سے کہا کہ تم نے سُنا کہ یہ لوگ یتیم عبداللہ کے متعلق کیا کہتے ہیں چنانچہ اسی وقت سے ابوطالب اپنے نوخیز بھتیجے کی حفاظت خصوصی کرنے لگے۔

عبدالمطلب کی وفات پر ان کے فرزند ابیطالب اپنے پدر بزرگوار کی مسند امارت کے مالک ہوئے۔ محمدؐ کی عمر کا آٹھواں سال تھا کہ قدرت نے دادا کا سایہ بھی اٹھا لیا تھا اور اس کے بعد سے آپ کی پرورش و پرداخت اور بھی خصوصیت کے ساتھ آپ کے چچا سے متعلق ہوگئی اور چچا بھی اپنے اس بھتیجے سے بے حد محبت کرتے تھے جو افراط کی حد تک پہونچی ہوئی تھی۔ جہاں کہیں آپ جاتے آپ کا یہ بھتیجا آپ کے ساتھ ہوتا اور جہاں خود سوتے وہیں اسے بھی سلاتے۔ محمدؐ کی عمر کا تیرھواں سال تھا کہ آپ نے شام کا سفر بغرض تجارت کیا۔ حسب دستور بھتیجا بھی ساتھ تھا۔ اسی سفر میں بحیرا راہب نے آپ کو ان کے بھتیجے کی نبوت کی بشارت دی۔ اسی زمانہ میں حجاز میں ایک جنگ ہوئی جس کو حرب الفجار کہتے ہیں۔ قریش اور بنو کنانہ جس میں ایک طرف اور قبیلہ ہوازن دوسری طرف تھا۔ جنگ ہوئی اور جدھر قریش تھے ادھر فتح ہوئی۔

آپ کے دور حکومت کے خاص واقعات میں یہ واقعہ بھی ہے کہ بنی ہاشم اور چند خاندانوں نے متحدہ طور پر ایک انجمن کی بنیاد ڈالی جس میں یہ طے ہوا کہ وہاں ملکی اور غیر ملکی میں جو مظلوم ہوگا اس کا ساتھ دیا جائے گا اور مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے گا۔ عرب میں یہ معاہدہ حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ کعبہ کی بنیاد اس وقت تک پست تھی اور جسکو تمام قریش بلند بنیاد پر قائم کرنا چاہتے تھے چنانچہ اسی غرض خاص سے اس کو گرا کر اسکی دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔ جب اس کی بلندی حجراسود کے مقام نصب تک پہونچی تو خود حجراسود کے نصب کرنے کے لیے فی مابین نزاع ہونے لگی اس لیے کہ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ اس کا نصب اور قائم کرنے والا ہم میں سے ہو۔ آخرکار تمام قوم نے اس امر پر اتفاق کیا کہ جو شخص دروازۂ حرم سے اولاً داخل ہو وہ اس نزاع کا فیصلہ کرے۔ اتفاق سے اس وقت آپ کا بھتیجا اس دروازہ سے سب سے پہلے داخل ہوا چنانچہ محمدؐ نے حجراسود کو ایک چادر میں رکھا اور ہر قبیلہ کے ایک شخص نے اس چادر کو چاروں طرف سے بلند کیا اور جب اس طرح سب کے ہاتھوں سے بلند ہوکر وہ اپنے مقام نصب تک پہونچا تو محمدؐ نے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر اسکی مقررہ جگہ پر اس کو نصب وقائم کردیا۔ (ابن جریر طبری۔ طبقات ابن سعد وغیرہ)۔

سطور بالا میں کسی قدر تفصیل اور تشریح کے ساتھ ہم نے حضرت امام ہمام کے آباؤ اجداد کے متعلقہ حالات اور واقعات مندرج اور مرقوم کیے ہیں جن پر ایک نظر غائر ان کے نسبی خصوصیات اور آبائی حالات کو بالکل مبرہن اور آشکار کردیتی ہے۔ امارت مکہ۔ تولیت کعبہ۔ سقایہ۔ رفادہ۔ حجاج کی مہمانی قبائلی تنازعات کا تصفیہ۔ بنی ہاشم کا یہ ایسا طرۂ امتیاز وافتخار ہے جو ان کی ہر نسل اور ہر شاخ میں نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن ثابت ہوتا ہے (اور قریش کا کوئی اور قبیلہ اس افتخار اور امتیاز سے مشرف اور ممتاز نہیں معلوم ہوتا)۔ پھر کسی خاندان کا دو چار سال کا یا دو چار نسلوں کا طریقۂ کار اور طرز عمل نہیں ہے

بلکہ اسلام سے پہلے کے یہ کم وبیش چار پانچ صدیوں کے حالات ہیں اور بارہ چودہ نسلوں کی یہ مسلسل اور متواتر تاریخ ہے جس کے آئینہ میں اس ممتاز اور مفتخر اور معزز قبیلہ کے صدیوں کے لائحہ عمل کی روشن تصویر بالکل صاف صاف نظر آتی ہے اور آفتاب کی طرح یہ حقیقت روشن اور ثابت ہوتی ہے کہ حسینؑ کے آباؤ اجداد ان مراتب رفیع اور مناصب جلیل پر مسلسل اور متواتر سرافراز اور ممتاز تھے۔

اور ابی طالب کی وفات کے بعد یہ تمام خصوصیات اور امتیازات ان کے فرزند علیؑ کی جانب منتقل ہوئے اور علیؑ کے بعد ان کے پسر اکبر حسنؑ کی جانب اور حسنؑ کے بعد حسینؑ کی طرف۔ اس لیے آپ وارث اسلاف کرام بھی تھے اور قائم مقام اجداد عظام بھی بلکہ در اصل آپ کی ذات مجمع الصفات وہ تنہا ذات تھی جس میں تمام متذکرہ صدر خصوصیات اور امتیازات موجود تھے اور آپ کی ہستی ان مراتب جلیلہ اور مدارج رفیعہ کی واحد مستقر اور مرکز اور مقام تھی اور اس کے عکس میں آپ کا مد مقابل اور حریف (یزید) اس طرح کی آبائی شرافت اور خاندانی امتیازات سے بالکل عاری تھا اور اس کی آبائی اور خاندانی کتاب میں اس طرح کی کوئی پسندیدہ تحریر ہرگز نہ تھی۔

(۲) خاندانی خصوصیات اور آبائی امتیازات کے بعد امام عالیمقام کے استحقاق خلافت کی دوسری اور بے حد قوی وجہ قانون میراث ہے جس کی رو سے جناب رسالتمآبؐ کے انتقال کے بعد ان کے تمام ترکہ اور حقوق کی تنہا وارث اور مالک کامل ان کی اکیلی صاحبزادی سیدۂ عالم تھیں۔ (اس لیے اور بھی کہ رسول کی اولاد پسری کوئی موجود نہ تھی) اور سیدۂ عالم کے بعد وہ سب کا سب ترکہ مادری کی حیثیت سے ان کے بڑے صاحبزادے حسنؑ کا ورثہ اور حصہ تھا اور ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حسینؑ اس سب کے تنہا وارث اور مالک تھے۔

(۳) جناب رسالتمآبؐ اور علیؑ چچا زاد بھائی تھے اور حسنؑ اور حسینؑ اس اعتبار سے آنحضرت صلعم کے بھتیجے بھی تھے یعنی اگر رسول کی کوئی اولاد ہوتی یا وہ لاولد رہتی تب متذکرہ صدر رشتہ داری کی بنا پر حسنؑ اور حسینؑ کو محمد صلعم کے بھتیجے کی حیثیت سے چچا سے حصہ پہونچتا اور علیؑ کے بعد ان پدری متروکہ کے ورثہ دار بھی تھے یعنی آپ کا حق محض وفاداری نہیں بلکہ پدری بھی ثابت ہوتا ہے اور آپ دونوں جانب سے حقدار اور مستحق خلافت تھے۔

(۴) وہ جماعت جو علیؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرتی ہے اس کے لحاظ سے بھی اسلامی تخت وتاج (معاویہ کی بغاوت شام کے باوجود) ان کے بعد حسنؑ کی جانب منتقل ہوا اور حسنؑ کی حکومت کے اختتام تک خلافت راشدہ کا اختتام بھی مانا گیا ہے اور جس کی مدت تیس سال بتائی گئی ہے) اور آپ اسلام کے مسلمہ خلیفہ تھے اور آپ کی بیعت بھی مجمع عام میں کی گئی اور آپ علیؑ کے جانشین اور قائم مقام تھے اسد الغابہ میں ہے کہ کم وبیش چالیس ہزار آدمیوں نے مجمع عام میں آپ کے دست حق پرست پر کوفہ میں بیعت بھی کی تھی۔ بہرحال اس وقت کے گوناگوں اور چند در چند حالات سے مجبور ہو کر (جس کی تفصیل اس مختصر مضمون کے حدود سے باہر ہے) آپ نے بشرائط معاویہ سے صلح کر لی۔ اور خلع امارت کر دیا۔ منجملہ شرائط صلح ایک شرط یہ تھی کہ معاویہ کے بعد خلافت پھر آپ کی طرف واپس ہوگی۔ (تاریخ الخلفاء ...)

الحسینؑ۔ صواعق محرقہ۔ کامل ابن اثیر۔ استیعاب ابن عبد البر۔ کتاب الامامت والسیاست۔ شواہد النبوۃ۔ نور العین فی مشہد الحسینؑ)

مولوی حسین میاں اپنے رسالہ غم حسین میں فرماتے ہیں کہ تمام کتب تاریخ وسیر وغیرہ سے ثابت ہے اور تمام محققین علماء اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا امام حسنؑ نے امیر معاویہ کی خلافت صرف ان کی حیات تک کے لیے سپرد کی تھی اور اس شرط پر ان کو خلافت سونپی تھی کہ تمہارے بعد خلافت پھر ہماری طرف واپس ہوگی۔ تم کو ہرگز یہ حق نہ ہوگا کہ تم کسی کو اپنے بعد خلیفہ بناؤ اور اسکو میراث سمجھو۔ بعض مورخین اس ذیل میں اس خیال کے معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے نزدیک شرط صلح یہ تھی کہ معاویہ اپنے بعد کسی کو اپنا ولیعہد نہ کرے اور اسکو عامۃ المسلمین پر چھوڑ دے (حبیب السیر، اعثم کوفی)۔

متذکرہ صدر تاریخی شہادتیں اس حقیقت کو بالکل مبرہن کر دیتی ہیں کہ امام حسنؑ کے شرائط صلحنامہ کی رو سے معاویہ کے بعد خلافت پھر ان کی جانب واپس ہوتی اور امام کی یہ مجبورانہ مصالحت معاویہ کے ساتھ محض اسکی حین حیات میں تھی۔

بہرحال امام حسنؑ کو زہر دلانے اور ان کو شہید کرانے کے بعد معاویہ نے امارت اور خلافت اپنی زندگی بھر کے لیے تو محفوظ کر ہی لی تھی لیکن معاویہ کے بعد یہ خلافت وامارت صلحنامۂ مذکور کی رو سے (جس میں اس کی زندگی بھر کے لیے خلافت کو اس سے متعلق کیا گیا تھا) اس کے خاندان یا قبیلہ یا اولاد کا حق نہ تھی بلکہ وہ پھر حسنؑ کا حق تھی اور حسنؑ کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حسینؑ کا حق تھی۔ پھر صلحنامۂ مذکور کے دونوں فریق کی عدم موجودگی کے بعد عقلاً اور اصولاً خلافت پھر اپنی اصل سابق اور نقطۂ اول کی جانب جہاں سے وہ عاریتاً دوسرے کو دی گئی تھی واپس ہونا چاہیے تھی۔

پھر تاریخ کی اکثر کتابیں مثلاً اسد الغابہ، حیوۃ الحیوان دمیری وغیرہ بھی بتاتی ہیں کہ امام حسنؑ نے اپنے بعد کے لیے اپنے بھائی حسینؑ کو اپنا وصی بھی قرار دیا تھا۔ اور حبیب السیر کے الفاظ اس خاص موقع کے متعلق یہ ہیں کہ امام حسنؑ امام حسینؑ را وصیت کردہ امر امامت بہ آں حضرت تفویض نمود۔

(انسائکلوپیڈیا برٹینیکا) میں ہے کہ علیؑ کی رحلت کے بعد ان کے فرزند اکبر حسنؑ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن وہ اس شرط پر معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے کہ وہ اس کے بعد پھر خلیفہ ہوں گے۔

"...... ان کو خلافت کا حق رسولؐ اور علیؑ دونوں جانب سے پہونچتا تھا صلحنامہ کے شرائط میں جو معاویہ اور حسنؑ کے درمیان ہوا تھا۔ حسینؑ کا حق خلافت بین طور پر محفوظ رکھا گیا تھا۔"

۴۔ حضرات اہلسنت میں ایک طبقہ اس خیال کا بھی شامل ہے جو جناب امیر المومنین کو آپ کے بے مثل علم وفضل اور بے نظیر فضائل ومناقب کی بنا پر تینوں خلفائے راشدین سے بہتر سمجھتا ہے اور اسکے نزدیک ترتیب خلافت تفریق مراتب وفضائل کی آئینہ دار نہیں ہے اور وہ آپ کو بعد رسول افضل الناس تسلیم کرتا ہے۔ اور تصوف کی اکثر وبیشتر شاخیں جو دریائے معرفت پر ختم ہوتی ہیں اور فقر وولایت کا خضر طریقت بھی یہی خواص بجز شریعت تسلیم کیا جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہ رسول کی روحانیت اور معرفت کا وارث اور [illegible]

مقدس اور مخصوص سلسلہ اگر منتقل ہو سکتا تھا تو حسنؓ کی جانب جو آپ کے حقیقی اور روحانی نائب اور قائم مقام اور امام تھے اور حسنؓ کے بعد اس روحانیت - ولایت اور معرفت کا کوئی امام تھا تو وہ حسینؓ اور محض حسینؑ چنانچہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا حسب ذیل شعر اس مطلب پر شاہد ہے ؎

اے دل بگیر دامن سلطان اولیا
یعنی حسینؑ ابن علیؑ جان اولیا

(۵) امام حسنؑ نے اپنی وفات کے وقت خلافت امام حسینؑ کو تفویض فرمائی تھی جیسا کہ اسد الغابہ اور حبیب السیر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے پھر معاویہ کے بعد اس صلحنامہ کی رو سے جو امام حسنؑ اور معاویہ میں ہوا تھا معاویہ کے بعد خلافت پھر حضرت حسنؓ طرف واپس ہونا چاہیے تھی اور حسنؓ کے بعد حسینؑ صلحنامہ کی رو سے خلافت کے جائز وارث اور حقیقی حقدار تھے۔

استحقاق خلافت کے متعدد زاویے اور امارت متعلقہ کے مختلف اصول ہم نے اوپر درج کیے ہیں جن میں سے ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے خلافت اسلام حضرت ابی عبد اللہ الحسینؑ کا حق ثابت ہوتی ہے۔ پھر مسند خلافت پر آپ کے بجائے یزید متمکن ہوا دنیا کا بچہ بچہ شاید جانتا ہے اور جب متذکرہ صدر تمام صورتوں میں وہ حضرت حسینؑ کا حق ثابت ہوتی ہے تو وہ اس کا حقدار اور وارث اور مالک کیونکر ہو گیا تاریخ اسلام کا یہ حد درجہ تاریک اور شرمناک باب ہے۔

پھر اس ذیل میں از حد تکلف اور حیرت انگیز یہ امر بھی ہے کہ بعض افراد یزید کو اسلامی تخت و تاج کا وارث صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح کے خیالات تلوار سے زیادہ خوفناک اور زہر سے زیادہ قاتل ہیں۔ جہاں تک ان کے درجہ مضرت کا تعلق ہے۔ امام غزالی اور ابو شکور سلمی وغیرہ اسی عجیب اور شرمناک خیال کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یزید کی خلافت یہ استخلاف معاویہ تھی اس لیے وہ جائز اور صحیح تھی اور اس اعتبار سے حضرت حسینؑ پر اطاعت واجب تھی۔ حالانکہ اسی مختصر مقالہ میں اہل سنت کی کثیر کتب کے حوالہ سے یہ لکھا گیا ہے کہ حضرت حسنؓ نے خلع امارت اور ترک خلافت کے سلسلہ کے صلحنامہ میں یہ شرط واضح درج کر دی تھی کہ معاویہ اپنی زندگی بھر خلافت پر متصرف رہے گا اور اس کے بعد وہ پھر ان کی جانب واپس ہو گی اور سب جانتے ہیں کہ صلحنامہ مذکور کے ہوتے ہوئے معاویہ کا اپنے بیٹے (یزید) کو اپنا ولیعہد بنانا اور اپنی زندگی ہی میں اس کی خلافت و امارت کے تمام انتظامات مکمل دینا صلحنامہ مذکور کی صریحی اور کھلی ہوئی اور انتہائی خلاف ورزی ہے اور وعدہ خلافی۔ عہد شکنی۔ خیانت اور دغابازی کے یہ ایسے تاریک داغ ہیں جو معاویہ کے دامن سے کبھی دفع نہیں کیے جا سکتے پھر حسن میاں (پھلواری شریف) نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ علمائے اہل سنت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ معاویہ اور حسنؑ کے درمیان کے صلحنامہ میں یہ شرط مذکور تھی کہ خلافت معاویہ کے بعد پھر حسنؑ کی جانب واپس ہو گی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ علمائے اہل سنت کا یہ اجماع جس کا تذکرہ حسن میاں نے اپنے رسالہ میں کیا ہے صحیح ہے یا غزالی اور ابو شکور سلمی کا خیال۔ بہرحال علمائے اہلسنت کی کثرت اس باب میں اسی خیال کی ہے کہ معاویہ کے بعد حکومت اسلام پھر حضرت حسنؑ کے خاندان میں واپس ہونا چاہیے تھی اور صلحنامہ مذکور کے ہوتے ہوئے معاویہ کا یہ اقدام کسی قانون اور قاعدہ اور اصول سے صحیح نہیں قرار پا سکتا اور یزید ان حالات میں معاویہ کا صحیح اور جائز جانشین نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرحال حضرت حسینؑ اپنے تمام متذکرہ و غیر متذکرہ حقوق خلافت کے غصب کیے جانے پر اور خلافت ان کو نہ ملنے پر صبر کرتے اور یزید سے ہرگز متصادم نہ ہوتے اس لیے کہ ان کی یہ جنگ ان کے حقوق خلافت کے ضائع ہونے یا خود خلافت اُن کو نہ ملنے کی بنا پر نہ تھی (تاریخ کے ورق ایسا کوئی تذکرہ پیش کرنے سے بالکل قاصر ہیں کہ آپ کا یہ اقدام آپ کو خلافت نہ ملنے کے سبب سے تھا) بلکہ اس کے عکس میں یہ خود یزید تھا جو حسینؑ سے اپنی بیعت طلب کر رہا تھا۔ سختی کے ساتھ (اور خود جس کا خلافت کا حق نہ از روئے انصاف ثابت ہوتا ہے اور نہ از روئے ایمان۔ نہ بلحاظ استحقاق خاندانی - نہ باعتبار میراث اور نہ بربنائے شرافت نفس اور بلندی عمل) اور حسینؑ کے لیے جس کو اپنا امیر اور پیشوا اور خلیفہ تسلیم کرنا دشوار ناممکن اور محال تھا؟ اتنا کہ آپ نے وہ سب کچھ گوارا کر لیا جس شدت و ظلم اور جبر اور بربریت کی مثال تلاش کرنے کے بعد زیر آسمان کوئی دوسری نہیں ملتی لیکن یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا اور اُسے اپنا پیشوائے دین تسلیم کرنا گوارا نہ فرمایا۔ اور یزید کا قلادۂ بیعت آپ اپنے سے کیسے متعلق فرما سکتے تھے جب آپ اُسے اپنے لیے ننگ و عار تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ روز عاشورہ بھی آپ کی انتہائی خشک زبان پر شاید خود آپ ہی کا یہ مصرع برابر جاری تھا کہ الموت اولی من رکوب العار یعنی مرجانا ذلیل ہونے سے بہتر ہے۔

حسینؑ نے موت گوارا کی اور ایسی بھیانک اور دردناک اور خطرناک موت - خود اپنی بھی - اپنے اعزا اور احباب کی بھی - بچوں کی بھی اور جوانوں کی بھی مگر مرتے مرتے ننگ و عار کو اپنا طریقۂ کار اور لائحہ عمل نہیں بنایا۔

رباعی

(از شاہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ)

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ

سر داد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

ہلالِ محرم سے خطاب

از مصورِ حقیقت لسان الملت سید نواب صاحب افسر لکھنوی

ہاں مخاطب ہو ادھر بھی اے محرم کے ہلال
گردشوں میں تیری غلطیدہ ہیں کتنے ماہ و سال

ہیں ترے پیشِ نظر کتنے مسلسل انقلاب
تو نے لاکھوں بار دیکھا ہے غروبِ آفتاب

تو نے اکثر طاقتیں دیکھی ہیں ٹکراتے ہوئے
تو نے دیکھا ہے فضاؤں کو لرز جاتے ہوئے

خاک ہوتے تو نے دیکھے ہیں شہانہ کرّ و فر
تو نے دیکھا ہے فقیروں کو پہنتے تاجِ زر

حاکمِ دوراں بھی دیکھا اہلِ استبداد کو
قیدیِ زنداں بھی دیکھا منتخب افراد کو

شاخِ گل سے تو نے دیکھے آشیاں اٹھتے ہوئے
سینۂ گلزار سے دیکھا دھواں اٹھتے ہوئے

تو نے حق کوشوں کی حق کوشی بھی دیکھی ہے بہت
اہلِ باطل کی زبوں کوشی بھی دیکھی ہے بہت

تو نے شعلے ظلم کے دیکھے ہیں بل کھاتے ہوئے
صبر کے پرچم اٹھے شعلوں میں لہراتے ہوئے

تو نے دیکھے ہیں بہت ہنگامہ ہائے دار و گیر
واقعاتِ کربلا کی بھی کہیں دیکھی نظیر؟

حق و باطل کے تصادم تو بہت دیکھے مگر
ہے کوئی ایسا مکمل واقعہ پیشِ نظر؟

ظلم کی طغیانیاں پہنچی تھیں اس حد پر کبھی
صبر و حکمت کے کھلے تھے اس طرح جوہر کبھی

کیا کبھی دنیا میں ایسے حادثے پیش آئے ہیں
پوری طاقت سے عناصر یوں کبھی ٹکرائے ہیں

تو نے تصویریں بہت دیکھی ہیں رزم و بزم کی
ہے کوئی تمثال دنیا میں حسینی عزم کی

وہ حسین ابن علی وہ ناشرِ دینِ رسول
آج تک لو دے رہے ہیں جس کے تابندہ اصول

زندگی کا جس کی ہر لمحہ کمالِ زندگی
موت جس کی آئینہ دارِ جمالِ زندگی

پست جس نے کر دیے ظلم و ستم کے حوصلے
جس نے کامل فتح حاصل کی ہمیشہ کے لیے

جس نے ہر کمزور دل کو ہمتِ مردانہ دی
جس نے ہر شیدائے حق کو جرأتِ پروانہ دی

مکر کی زلفوں میں اب وہ پیچ و خم باقی نہیں
ظلم کو ایسا تھکایا ہے کہ دم باقی نہیں

ہر زمانہ جس کی زریں داستاں دہرائے گا
وقت کے سینہ پہ پرچم فتح کا لہرائے گا

ہوئی ہے دینِ نبیؐ کی بنا محرم میں

(از ابوالمعارف جناب رازؔ اجتہادی دام ظلہ)

مدینہ آلِ نبی سے چھٹا محرم میں
حسینؑ پہنچے ہیں کرب و بلا محرم میں
جفاؤ ظلم و ستم یہ ہوا محرم میں
مسافروں کو نہ پانی ملا محرم میں
کٹا غریبوں کا سوکھا گلا محرم میں

یہ حالِ شدتِ گرما ہے اور غربت ہے
ہے سرخ چہرۂ خورشید وہ تمازت ہے
لگی ہے آگ زمانہ میں اک مصیبت ہے
نبیؐ کی آل پہ عاشور کو قیامت ہے
زمانہ زیر و زبر ہوگیا محرم میں

ہزاروں امتِ جد سے ملال پائے ہیں
مسافروں پہ ستم شامیوں نے ڈھائے ہیں
جفاؤ ظلم کے بادل جہاں پہ چھائے ہیں
خیام اہلِ حرم نہر سے ہٹائے ہیں
صغیر پیاس سے تڑپا کیا محرم میں

حسنؑ کے لال کو میداں میں موت لائی ہے
سناں شبیہِ پیمبر نے دل پہ کھائی ہے
اجل صغیر کو دشتِ بلا میں آئی ہے
بضاعت اپنی شہِ دیں نے کل لٹائی ہے
حسینؑ بھی ہوئے حق پر فدا محرم میں

کسی کے کٹ گئے شانے کسی کے تیر لگا
سناں نے چاند سا سینہ کسی کا توڑ دیا
حسینؑ یکہ و تنہا ہوئے کوئی نہ رہا
شہید لختِ دلِ فاطمہؑ بھی رن میں ہوا
مدینہ اُجڑا بسی کربلا محرم میں

گھر اپنا امتِ جد کے لیے لٹا کے گئے
جگر پہ داغ شبیہِ رسول کھا کے گئے
حسینؑ رن سے ارم خون میں نہا کے گئے
جہاں میں شمع ہدایت مگر جلا کے گئے
ہوئی ہے دینِ نبیؐ کی بنا محرم میں

مٹائیں صورتیں مٹ کر نفاق و بدعت کی
لہو سے سینچی ہیں شہ نے جڑیں شریعت کی
لی ہیں کرب و بلا سے حدیں صداقت کی
حسینؑ مر گئے باطل کی پر نہ بیعت کی
نفاق و کفر جہاں سے مٹا محرم میں

لہو میں اپنے مسافر نہا نہا کے گئے
ہزاروں ظلم و ستم دشت میں اٹھا کے گئے
شہید صبر کے جوہر دکھا دکھا کے گئے
جو کشتی ڈوب رہی تھی اُسے بچا کے گئے
جناں کا راستہ ہم کو ملا محرم میں

کوئی حسین سے پوچھے حدیں ملالوں کی
اٹھائیں نعشیں اٹھارہ نونہالوں کی
بڑھی ہے ٹیس ہر اک بار دل کے چھالوں کی
وفائیں دل پہ رہیں نقش مرنے والوں کی
تباہ شہ کا بھرا گھر ہوا محرم میں

نبیؐ کے بعد زمانہ کا رنگ بدلا تھا

تھا سجدہ گاہِ ملک جو وہ گھر جلا دیا تھا
علیؑ کو سجدۂ خالق میں آہ مارا تھا
حسنؑ کا زہر سے ٹکڑے ہوا کلیجا تھا
مگر ستم کی ہوئی انتہا محرم میں
حرم حسینؑ کو دشت بلا سے رو کے چلے
ہماری فرد گنہ آنسوؤں سے دھو کے چلے
ستم نصیب بہتر کو رن میں کھو کے چلے

نجات ہم کو ملی یہ اسیر ہو کے چلے
چھنی ہے سر سے حرم کے ردا محرم میں
بھلائے لاکھ زمانہ جفائے لشکر کو
چھپائے لاکھ کوئی بدعت ستمگر کو
لگائے آنکھوں سے شمر شقی کے خنجر کو
مٹا سکے گا نہ ہرگز عزائے سرور کو
رکے گی راز نہ ہرگز بکا محرم میں

انبوہِ مصائب

از منشی بابو رام صاحب شریف ایڈوکیٹ فرخ آباد

آہ! وہ عالمِ غم پیشِ حسینؑ ممتاز　غمِ فرزند و برادر غمِ یار و دمساز
گوشِ دل میں کبھی آتی تھی صدائے مادر　یاد آتے تھے کبھی جوہرِ شمشیر پدر
ایک انبوہِ مصائب دلِ مومن تنہا　امتحاں گیر تھی دنیائے حوادث کی فضا
تابشِ تیغِ جفا تابشِ خورشید تپاں　سوزِ دل سوزِ جگر سوزشِ غم ہائے نہاں
شدتِ سوز سے مفقود تھا پانی کا نشاں　چشمۂ اشک کے مخرج سے نکلتا تھا دھواں
تشنگی سے تھی گزرگاہِ نفس ضیق اندود　منفذِ آب تھے شمشیرِ عدو سے مسدود
وقت نازک میں یہ غارت گرِ ایماں کا پیام　قیمت اک جام کی ہے عہدۂ ذیجاہِ امام
ساغرِ غاصبِ دستار سے پانی پینا　وارثِ ساقیِ کوثر نے گوارا نہ کیا
راہ حق سے کہیں پھرتے ہیں عقیدت والے　منظرِ موت سے ڈرتے نہیں ہمت والے
فیضِ جدین کا پانی تھا طہارت کے لیے　دستِ جرار بڑھا جامِ شہادت کے لیے
آبِ خنجر سے کیا تشنۂ ذیشاں نے وضو　تشنہ لب، تشنہ زباں، تشنہ دہن تشنہ گلو
جاں بحق ہو گئے ایماں کے لیے جانِ رسول　نہ حمیت نے کیا بیعتِ دشمن کو قبول

جاں نثارانِ عقیدت کا معرف ہے فلک
سرخیِ خونِ شہیداں ہے شفق میں اب تک

حسینؑ کا پہلا قدم

نوعِ انسانی کیلئے لافانی درس —— اسرارِ الٰہی کا تلاطم خیز سمندر

از علامۂ عصر مولانا سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، معلم شرقیات لکھنؤ یونیورسٹی

۱۵ رجب ۶۰ھ کو معاویہ کا انتقال ہوگیا۔ مرتے مرتے وہ امام حسینؑ کی بیخکنی کا خیال دل میں لیئے رہے۔ یزید اس وقت دارالخلافہ میں موجود نہ تھا ضحاک بن قیس فہری اور مسلم بن عقبہ کے ذریعہ سے بیٹے کو پیام دیا کہ میں نے تمہارے لیے سارے ملک کو ہموار کر دیا ہے۔ صرف تین آدمیوں سے تمہارے بارے میں اختلاف کا اندیشہ ہے، حسینؑ۔ عبداللہ بن زبیر۔ عبداللہ بن عمر امام حسینؑ کے متعلق کہا ان کا فیصلہ اسی طرح کرنا جیسے ان کے باپ اور بھائی کا ہم نے فیصلہ کیا۔

غالباً اس سے مراد معاویہ کی یہ تھی کہ مخفی ذرائع ان کے قتل یا زہر خورانی کے استعمال کرنا۔ بعد کے مورخوں نے جنھیں امیر معاویہ سے عقیدت اور حسینؑ کی عظمت سے بیک وقت رشتہ رکھنا تھا یہ لکھ دیا کہ معاویہ نے وصیت کی اگر حسینؑ سے مقابلہ ہو تو معاف کر دینا۔

فان خرج وظفرت به فاصفح عنه فان له رحما ماسة وحقا عظيما وقرابة من محمد (۳/۳ کامل ابن اثیر)

لیکن مجھے اس فقرہ کے الحاقی ہونے میں شک نہیں ہے امیر معاویہ جب مدینہ میں یزید کی بیعت کے لیے آئے تھے اور امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی تھی تو ان کا پہلا فقرہ یہ تھا۔ نہ تمہارے لیے خوشی ہو نہ برکت۔ تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ خون ضرور بہایا جائے گا۔ (کامل ۲۵۲/۳)

زندگی میں معاویہ کی یہ قسم پوری نہ ہوئی وہ اس کا بار بیٹے کے کاندھے پر رکھ گئے۔ یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلا کام یہی کیا کہ حسینؑ کو اپنا مرکزِ توجہ بنایا۔

مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے:- لم یکن لیزید همة الا بیعة النفر الذین ابوا علی معویة بیعته (۶/۴ کامل)

یزید کو سوا ان لوگوں سے بیعت لینے کے جو معاویہ کے زمانہ میں منکر تھے اور کوئی خیال اس وقت دامنگیر نہ تھا۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق یزید نے ولید حاکم مدینہ کو معاویہ کی خبر مرگ لکھی اور ایک پرزہ پر لکھا۔

فخذ حسینا وعبد اللہ بن زبیر بالبیعة اخذا لیس فیه رخصة حتی یبایعوا (۶/۴ کامل)

حسین اور ابن زبیر سے بیعت لو۔ بیعت کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

گویا اس خط میں انکار بیعت پر حسینؑ کے قتل و گرفتاری کا اشارہ تھا۔ بیعت کے معنی اس عہد میں بدل گئے تھے۔ بیعت سے مراد یہ اعتراف تھا کہ ہم بادشاہ کی ملکیت ہیں۔ بیعت میں کتاب و سنت کی شرط لگانا ایک ایسا سنگین جرم تھا جس کی سزا قتل تھی۔ (۲۲۳/۲ طبری)

ظاہر ہے کہ بیعت کا یہ نیا مفہوم نہ اسلامی آئین و قوانین کے مطابق تھا نہ انسانی شرافت و عزت و آزادیٔ ضمیر کے لیے یہ قابل برداشت چیز تھی۔ امام حسینؑ سے بیعت میں شدت ایک اور مقصد کے ماتحت تھی۔

تاریخ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سابق خلفاء کے عہد میں ایک جماعت ایسی تھی جو بیعت سے الگ رہی اور حکومت نے اسے اسکے خیال پر چھوڑ دیا۔ خود امیر المومنین حضرت علیؑ کی بیعت عبداللہ بن عمر اور سعد بن وقاص وغیرہ نے نہیں کی تھی۔ امام نے ان کو مجبور نہیں کیا کہ وہ ضرور بیعت کریں اسلیے کہ جب جمہور نے بیعت کر لی تو چند آدمیوں کے بیعت نہ کرنے سے حکومت کے قیام و نظم میں کسی ابتری کا اندیشہ نہیں رہتا۔

خود یزید نے امام حسینؑ سے بیعت کا جس قدر اصرار کیا وہ طریقہ اس کا دوسروں کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ بنی ہاشم میں عبداللہ بن جعفر محمد بن حنفیہ اور حضرت عباس بن علی بھی تھے۔ ان سے بیعت کے لیے کوئی ذکر نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حسینؑ سے بیعت بحیثیت پیشوائے امت اور روحانی رہنما کے طلب کی جا رہی تھی تاکہ یزید کی اخلاق و مذہب سے بے پروا حکومت کے لیے سند جواز حاصل کی جائے۔ اور عوام کی نظر میں اس کی درباری معاشرت کو اسلامی طرزِ معاشرت ثابت کیا جائے امام حسینؑ کی ذات کا اعزاز اگر مجبور نہ پڑتا جب بھی وہ اپنی انفرادی رائے کا اتنا بڑا مصرف قرار دینے پر کسی طرح راضی نہیں ہو سکتے تھے جبکہ ان کی رائے اس وقت اور بعد میں لاکھوں انسانوں کے لیے خدا و رسول کے حکم کی ترجمان تھی۔ ان کے لیے محال تھا کہ وہ خلق خدا کے حسن ظن کو ضائع کر کے اور بیعت کر کے دین و ملت کی تاراجی پر آمادہ ہو جاتے۔

امام حسینؑ بہت پہلے اس موقع کا تصفیہ کر چکے تھے۔ اچانک ولید کا آدمی امام کے پاس پہونچا ہے۔ اس وقت عبداللہ بن زبیر بھی امام کے پاس تھے ولید نے دونوں کو بلایا تھا۔ ابومخنف و اعثم کوفی کے بیان کے مطابق اسوقت امام قبر رسولؐ کے پاس بیٹھے تھے۔ ابن اثیر مسجد میں نشست بتاتا ہے۔ ابن زبیر نے امام سے پوچھا یہ بے وقت طلبی کیوں ہے امام نے فرمایا میرا خیال ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اور ہمیں یزید کی بیعت کے لئے بلایا جا رہا ہے۔ ابن زبیر نے شاید اسی وقت طے کر لیا تھا کہ وہ ولید سے نہ ملیں گے۔ امام کی رضامندی پر ابن زبیر نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اس کے پاس جائیں اور وہ آپ کو قید کرے یا قتل کر ڈالے۔

امام نے فرمایا میں انتظام سے جاؤں گا۔ اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ امام نے پہلے ہی کہدیا تھا میں آ رہا ہوں۔ آپ سے اور ابن زبیر سے گفتگو میں ذرا دیر ہوئی تو دوبارہ آدمی آیا۔ امام نے دوبارہ کہلوایا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ مروان نے ولید سے کہا۔ وہ نہ آئیں گے۔ ولید نے کہا حسینؑ بے وفا نہیں اپنی بات کے پابند ہیں۔ روضۃ الصفا کے مطابق کہا حسینؑ غدار نہیں ہیں۔ شرارت پسند اور مفسد مروان کا مشورہ ولید کو یہ تھا کہ معاویہ کی خبر انتقال کے پہلے امام سے بیعت لے لے۔ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں۔

فان فعلوا قبلت منھم وکففت منھم۔ وان ابوا ضربت اعناقھم (۴ کامل)

اگر یہ لوگ بیعت کریں تو خیر ورنہ ان کی گردن اڑا دینا۔ امام حسینؑ پہلے قبر رسولؐ پر گئے پھر گھر آئے اور غسل کیا اور لباس بدلا۔ دو رکعت نماز پڑھی۔ تیس یا پچاس جاں نثار اپنے ساتھ لیے۔ ساتھیوں کو ابن اثیر کے الفاظ میں یہ ہدایت کی

انی ادخل فاذا دعوتکم او سمعتم صوتی قد علا فادخلوا علیّ باجمعکم والا فلا تبرحوا حتی اخرج الیکم (۴ کامل)

میں ولید سے ملنے جاتا ہوں جب میں بلاؤں یا میری آواز بلند ہو تم سب میرے پاس چلے آنا ورنہ جبتک میں باہر نہ آؤں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنا۔ امام ولید کے پاس گئے۔ مروان اور ولید دونوں کو ایک جگہ بیٹھے دیکھا پہلے ان میں بدمزگی تھی۔ ان کی موافقت کو دیکھکر آپ نے اتحاد و اتفاق کی ثنا کی فرمایا۔

الصلۃ خیر من القطیعۃ والصلح خیر من الفساد۔ وقد آن لکما ان تجتمعا اصلح اللہ ذات بینکما۔ (۴ کامل)

میل قطع تعلق سے اور صلح فساد سے بہتر ہے۔ یہ موقع آ گیا کہ تم دونوں مل جاؤ۔ خدا تم دونوں میں موافقت پیدا کرے۔ امام کے ان ارشادات کا اثر مروان نے تو نہیں لیا۔ لیکن ولید پر آپ کی صلح جوئی و آشتی پسندی کا ضرور اثر پڑا۔

ولید نے امام کو معاویہ کی خبر مرگ سنائی اور یزید کی بیعت کی دعوت دی۔ امام نے فرمایا ابن اثیر کے الفاظ میں۔

اما البیعۃ فان مثلی لا یبایع سرًا ولا یجتزی بھا منی سرًا فاذا خرجت الی الناس ودعوتھم للبیعۃ ودعوتنا معھم کان الامر واحدًا (۴ کامل)

مجھ سا شخص مخفی طور پر بیعت نہیں کرتا۔ نہ مجھ سے چھپی بیعت کو کافی سمجھا جائے گا۔ جب سب کو بیعت عام کے لئے دعوت دینا ایک ہی وقت ہمیں بھی بلا لینا۔

علامہ محسن عاملی امام کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لم یرد الحسین ان یصارحہ بالامتناع عن البیعۃ واراد التخلص منہ بوجہ سلمی فوری عن مرادہ (۱۵۶/۴ اعیان الشیعہ)

امام نے یہ نہ چاہا کہ انکار بیعت کا اظہار بصراحت کریں صلح کیساتھ بچنا چاہا اس لیے مراد کو اشارے سے ظاہر کیا۔

ولید نے امام کی یہ تجویز منظور کر لی۔ ابن اثیر نے ولید کے لیے ایک خاص نفسیاتی لفظ منتخب کیا ہے۔ کان یحب العافیۃ۔ لیکن علامہ محسن عاملی لکھتے ہیں والحقیقۃ انہ کان متورعًا عن ان ینال الحسین منہ سوء لمعرفتہ بمکانہ۔ لا مجرد حب العافیۃ۔ (۱۵۶/۴ اعیان الشیعہ)

ولید خدا سے خوف کرتا تھا کہ کہیں امام کو اس سے کچھ گزند نہ ہو پہنچ جائے۔ اس لیے کہ امام کے مرتبہ سے واقف تھا۔ صرف یہ نہ تھا کہ وہ عافیت پسند تھا۔ مروان کو ولید کی آدمیت پسند نہ آئی کہا۔ ابن اثیر کے الفاظ میں

ان فارقک الساعۃ ولم یبایع لا قدرت منہ علی مثلھا ابدًا حتی تکثر القتلی بینکم وبینہ احبسہ فان بایع والا ضربت عنقہ (۴ کامل)

اگر اس وقت حسینؑ بچ گئے اور بیعت نہ کی تو ایسا موقع تمہیں کبھی نہ ملے گا۔ یہانتک کہ تمہاری اور ان کی بہت سی جانیں جائیں۔ انھیں قید کر لو اگر بیعت کر تو خیر ورنہ گردن اڑا دو۔

بقول اعثم کوفی۔ امام غیظ میں مروان کی طرف جھپٹے۔ کامل کے الفاظ ہیں۔ فوثب عند ذالک الحسین وقال ابن الزرقاء انت تقتلنی ام ھو کذبت واللہ ولؤمت۔

امام مروان کی طرف جھپٹے اور فرمایا تجھ میں یا ولید میں یہ دم ہے کہ مجھے قتل کرے۔ تو جھوٹا ہے۔

امام کے ساتھی آواز سنتے ہی شمشیر بکف ولید کے پاس پہونچنا ہی چاہتے تھے کہ امام باہر چلے آئے اور ساتھیوں کو رد کر دیا۔ امام کے چلے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا۔ ابن اثیر کے الفاظ ہیں۔

عصیتنی لا واللہ لا یمکنک من نفسہ بمثلھا ابدًا۔

تم نے میری مخالفت کی بخدا تم ان پر کبھی قابو نہ پا سکوگے۔ ولید نے اس کے جواب میں کہا :

ویح غیرک یا مروان۔ واللہ ما احب ان لی ما طلعت علیہ الشمس وغربت عنہ من مال الدنیا وملکھا وانی

قتلت حسینا ان قال لا ابایع واللہ انی لا ظن ان امرءً یحاسب بدم الحسین لخفیف المیزان عند اللہ یوم القیامۃ (تحفہ کامل)

بخدا میں ساری دنیا کے مال و دولت کو (انکار بیعت پر) قتل حسینؑ کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں بخدا بروز حشر خون حسینؑ کے جرم میں جب کسی کا حساب ہوگا تو اس کے ترازوئے عمل پر کوئی نیکی نہ ہوگی

علامہ محسن لکھتے ہیں۔ لما سمع الحسین ہذہ المجابہۃ القاسیۃ من مروان الوزغ ابن الوزغ صاحہما حینئذ بالامتناع من البیعۃ وانہ لا یمکن ان یبایع لیزید ابداً۔

(اعیان الشیعہ ۲/۱۵۱)

مروان کی اس گستاخی پر امام نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں گا۔ دربار ولید سے امام واپس ہو گئے اور جیسا کہ امام کا اندازہ تھا حالات ایسے ہی پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں یزید کے خط نے واضح کر دیا کہ پہلے ہی خط میں امام کے قتل کا مسئلہ مذکور تھا۔ ولید نے امام کے انکار کے بعد یزید کو خط لکھا

ان الحسین ابن علی لا یری لک خلافۃ ولا بیعۃ فرایک فی امرہ جیسا نہ آپ کی خلافت تسلیم کرتے ہیں نہ بیعت پر راضی ہیں اب جو آپ کی رائے ہو۔

یزید نے فوراً اس خط کا جواب دیا۔ اذا اتاک کتابی ہذا فعجل فی جوابہ وبین لی کل من اطاعنی او خرج عنہ ولکن مع الجواب راس الحسین بن علی۔

جیسے ہی میرا خط ملے مجھے اطاعتگزاروں اور مخالفوں کے نام لکھ بھیجو اور خط کے ساتھ سر حسینؑ بھی بھیجو۔

قبل اس کے کہ یزید کا خط ولید کو پہونچے امام حسینؑ مدینہ چھوڑ چکے تھے یزید نے ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ پر عمرو بن سعید اشدق کو مدینہ کا گورنر بنایا۔ ان واقعات سے حسب ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

نتائج

۱۔ امام حسینؑ یزید کی بیعت جائز نہیں سمجھتے تھے۔

۲۔ اگر وہ بیعت کر لیتے جب بھی ان کو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ بیعت کی تشہیر کے بعد ان کا قتل بہرحال ایک نصب العین تھا۔ مکہ سے بطن عقبہ میں امام نے فرمایا لیس یخفی علی الرای ولکنہم لا یدعونی حتی یخرجوا ہذہ العلقۃ من جوفی

(۲) مختصر نہضۃ الحسین علامہ ہبۃ الدین)

مجھ پر یہ سب باتیں مخفی نہیں ہیں لیکن بنی امیہ بغیر میرے سینہ سے دل کو نکالے ہوئے نہ چھوڑیں گے۔

۳۔ یزید کا خیال تھا کہ مدینہ ہی میں امام کو قتل کر دے اسی ناکامیابی کی وجہ سے اس نے ولید کو معزول کیا۔ اس کے پہلے خط میں اس کا اشارہ تھا اور دوسرے خط میں تصریح بلکہ قطعی حکم۔

۴۔ یزید نے امام سے صلح کا امکان نہیں رکھا تھا۔

۵۔ امام کے لیے جنگ کی صورت بھی نہ تھی۔ مدینہ سے حسینؑ کی خاموش روانگی اس کا ثبوت ہے۔ کسی نے یہ بھی نہ کہا مدینہ میں رہیے ہم آپ کی حمایت کریں گے۔ اگر امام کوشش کرتے تو خونریز معرکہ کا انتظام ہو جاتا۔ اس لیے کہ آپ عبداللہ بن زبیر سے کم اثر نہ تھے۔ جب عبداللہ کئی برس تک دمشق کا مقابلہ کرتے رہے تو امام کے لیے بہ نسبت ان کے زیادہ امکانات تھے۔ لیکن امام آخری نتائج سے واقف تھے کہ قابو یافتہ اور مذہب و اخلاق سے آزاد حکومت کی گرفت میں ایک نہ ایک دن آنا ضروری ہے۔ پھر زیادہ طول دینے سے جانیں زیادہ جاتی ہیں اور حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

۶۔ ان حالات کے اندر امام نے ایک ایسا منظم لائحہ عمل تیار کیا جسکے نتائج دنیا نے دیکھ لیے امام نے طاقت کا مقابلہ کر دیا ہے، اقتدار کا بے بسی سے۔ کثرت کا قلت سے ظلم کا مظلومیت سے حیوانیت کا انسانیت سے بلکہ شیطنت کا مقابلہ رضائے الٰہی سے کیا۔

حسینؑ قبر رسول پر جب امام حسینؑ نے ارادہ کیا کہ مدینہ ترک کر دیں تو آدھی رات کو قبر رسول پر آئے۔ دیکھا ایک نور قبر سے اٹھا اور پھر وہیں آ گیا امام نے فرمایا۔

السلام علیک یا رسول اللہ انا الحسین بن فاطمۃ فرخک وابن فرختک وسبطک الذی خلفتنی فی امتک فاشہد علیہم یا نبی اللہ انہم قد خذلونی وضیعونی ولم یحفظونی فہذہ شکوای الیک حتی القاک (۱/۶ ناسخ)

اے پیغمبر خدا آپ پر میرا اسلام میں حسینؑ بن فاطمہؑ ہوں۔ آپ کا فرزند آپ کی بیٹی کا بیٹا اور آپ کا وہ نواسا جسے آپ اپنی امت کے حوالے کر گئے تھے۔ اے خدا کے نبی! آپ شاہد رہیں کہ ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور مجھے ضائع کیا اور میرا خیال نہ کیا۔ یہ میری سرسری شکایت ہے جب آپ سے ملاقات کروں گا تو باقی احوال عرض کروں گا۔

امام رسول سے یہ خطاب کر کے ساری رات سجدہ و رکوع میں مشغول رہے صبح قبر رسول سے واپس آئے۔ ولید نے کسی کو اس شب میں امام کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ مخبر نے کہا وہ گھر میں نہیں ہیں ولید خوش ہوا کہ میں یزید کے حکم کی تعمیل سے بچ گیا اور حسینؑ کہیں چلے گئے (الحمد للہ الذی خرج ولم یبتلنی بدمہ) امام حسینؑ دوسری شب پھر قبر رسول پر گئے۔ اور چند رکعت نماز پڑھی اور فرمایا اللہم ہذا قبر نبیک محمد وانا ابن بنت نبیک وقد حضرنی من الامر ما قد علمت اللہم انی احب المعروف وانکر المنکر وانا اسألک یا ذا الجلال والاکرام بحق القبر ومن فیہ الا اخترت لی ما ہو لک رضی۔ ولرسولک رضی۔

اے معبود یہ تیرے نبی کی قبر ہے، اور میں تیرے نبی کی بیٹی کا فرزند ہوں میرے سامنے جو حالات ہیں ان سے تو واقف ہے۔ معبود میں اچھائی کو پسند کرتا ہوں۔ میں اے صاحب جلال و اکرام تجھ سے اس قبر و صاحب قبر کے واسطے سے دعا کرتا ہوں کہ میرے لیے وہی بات اختیار کر جس میں

تیری رضا اور تیرے رسول کی رضا ہو۔

خدا سے خطاب کے بعد روتے رہے صبح ہوتے ہی قبر پر سر رکھکر بہت روئے یہانتک کہ نیند آگئی خواب میں دیکھا رسول تشریف لائے ہیں فرشتے آپ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ رسول نے امام کو سینہ سے لگایا پیشانی پر بوسہ دیا۔ فرمایا۔ حبیبی یا حسین، کانی اراک عنقریب مرملاً بین مائک۔ مذبوحًا بارض کربلا و ملا من عصابة من امتی وانت مع ذالک عطشان لا تسقی، وھم مع ذالک یرجون شفاعتی۔ لا انالھم اللہ شفاعتی یوم القیامة حبیبی یا حسین ان اباک وامک واخاک قد موا علیّ وھم مشتاقون الیک وان لک فی الجنان درجات لن تنالھا الا بالشھادة۔

اے میرے پیارے۔ اے حسین میری نظر کے سامنے ہے کہ تو اپنے خون میں آلودہ خاک کربلا پر ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ میری امت کا ایک گروہ بھی گردن بریدہ ہے تو پیاسا بھی ہے تجھے کوئی پانی نہیں دے رہا ہے قاتل ان سفاکیوں کے باوجود میری شفاعت کے امیدوار ہوں گے حالانکہ خدا اُن کو قیامت میں شفاعت سے بہرہ مند نہ ہونے دے گا اے پیارے اے حسین تمہارے باپ ماں بھائی سب میرے پاس آئے ہوئے ہیں اور یہ تمہارے مشتاق ہیں جنت میں تمہارے لیے ایسے درجے قائم ہیں کہ تم شہادت ہی کے بعد انھیں پا سکتے ہو۔ امام حسین نے خواب ہی میں رسول سے فرمایا یا جداہ لا حاجة لی فی الرجوع الی الدنیا فخذنی الیک۔ وادخلنی معک فی قبرک فقال لہ رسول اللہ لابد لک من الرجوع الی الدنیا حتی ترزق الشھادة وما قد کتب اللہ لک فیھا من الثواب العظیم فانک واباک واخاک وعم ابیک تحشرون یوم القیامة فی زمرة واحدة حتی تدخلوا الجنة

اے نانا مجھے دنیا کی طرف واپسی کی خواہش نہیں ہے مجھے اپنے پاس بلا لیجئے اپنی قبر میں لے لیجئے رسول نے فرمایا تمہیں دنیا میں ضرور جانا چاہئے تاکہ درجۂ شہادت حاصل کرو اس ثواب کو حاصل کرو جو خدا نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے تم تمہارے باپ بھائی تمہارے باپ کے چچا سب قیامت میں ایک گروہ میں محشور ہونگے اور ساتھ ہی جنت میں داخل ہونگے۔ امام حسین خواب سے بیدار ہو کر گھر واپس آئے اہلبیت رسول اور بنی عبدالمطلب سے خواب بیان فرمایا۔ سب نے اس خواب سے اثر لیا اور ماحول پر غم چھا گیا۔

امام نے سامان سفر کیا اور پھر آخری زیارت کو قبر رسول پر گئے اور چند رکعت نمازیں پڑھیں قبر کو وداع کیا۔ بقیع گئے ماں اور بھائی کی قبر کو رخصت کیا۔

(۱۷۱ ناسخ)

پھر قبر رسول پر آئے اور سلام کیا فرمایا یا رسول اللہ بابی انت وامی لقد خرجت من جوارک کرھا۔ وفرق بینی وبینک واخذت بالانف فھراً ان ابایع یزید بن معاویة شارب الخمور وراکب الفجور فان فعلت کفرت وان ابیت قتلت۔ فھا انا خارج من جوارک علی الکرہ فعلیک منی السلام یا رسول اللہ۔

اے خدا کے پیغمبر میرے ماں باپ آپ پر نثار ہیں مجبوراً آپ کے ہمسایہ سے جا رہا ہوں مجھے آپ سے جدا کیا گیا ہے میں اسلیے گرفتار کیا جا رہا ہوں کہ یزید سے شرابخوار و فاجر کی بیعت کروں اگر بیعت کرتا ہوں تو کافر ہوا جاتا ہوں اور اگر انکار کرتا ہوں تو قتل کیا جاتا ہوں میں مجبوراً آپ کے ہمسایہ سے جا رہا ہوں اے خدا کے پیغمبر آپ پر میرا سلام۔ اسکے بعد آپ کو نیند آ گئی رسول خدا کو خواب میں دیکھا سلام کیا رسول نے فرمایا یا بنی لقد لحق بی ابوک وامک واخوک وھم مجتمعون فی دار الحیوٰة ولکنا مشتاقون الیک فعجل بالقدوم الینا۔ واعلم یا بنی ان لک فی الجنة درجة مغشاة بنور اللہ فلست تنالھا الا بالشھادة وما اقرب قد ومک علینا (۱۷۴ ناسخ)

اے فرزند تمہارے باپ ماں مجھ سے مل گئے وہ سب محل زندگی میں جمع ہیں ہم تمہارے مشتاق ہیں ہمارے پاس آنے میں جلدی کرو۔ فرزند تمہارے لیے جنت میں ایک درجہ ہے جو نور خدا سے چھپا ہوا ہے تم اس درجہ کو شہادت ہی سے پا سکتے ہو اب تم بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہو۔

اس خواب کے متعلق علامہ ابن شہر آشوب نے بے حد اختصار سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے۔ فکان الحسین یصلی یوماً اذ وسن فرای النبی فی منامہ یخبرہ بما یجری علیہ۔ فقال الحسین لا حاجة لی فی الرجوع الی الدنیا فخذنی الیک فیقول لابد من الرجوع حتی تذوق الشھادة (۸۸/۴ مناقب)

امام نماز پڑھ رہے تھے آنکھ لگ گئی رسول کو خواب میں دیکھا۔ حضرت نے مستقبل کے واقعات کی آپ کو خبر دی۔ امام نے فرمایا دنیا میں جانے کو میرا دل نہیں چاہتا مجھے اپنے پاس بلا لیجئے۔ حضرت نے فرمایا تمہیں دنیا میں جانا پڑیگا تاکہ مرتبۂ شہادت حاصل کرو۔ ۲۸ رجب کو امام نے شب کو مدینہ سے مکہ کیلئے سفر کیا۔ گزشتہ واقعات سے ہم کو ذیل کے معلومات اور سبق حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ اخلاق۔ مخالفین سے نرمی کا برتاؤ۔ غیظ و غضب میں حدود سے تجاوز نہ کرنا۔ ۲۔ قربانی و ایثار۔ استقلال۔ وطن نیز قبر رسول کو چھوڑنا عزا سے جدائی اپنے مقصد کے حصول کے لیے زبردست ایثار ہے۔ ۳۔ رضا۔ رضائے خدا و رسول کو ہر وقت پیش نظر رکھنا۔ ۴۔ حمایت حق۔ تعلیمات رسول کو ہر صورت قائم و محفوظ رکھنا۔ ۵۔ اطاعت۔ اطاعت خدا و رسول کو کسی حال میں ترک نہ کرنا اور معاشرت و سیاست و حقوق میں اطاعت الٰہی کو بطور اصول کے سوز سے محفوظ رکھنا۔ ۶ عبادت۔ قبر رسول کے پہلو میں نماز بہترین عبادت ہے۔ نماز میں سکون قلب۔ ۷۔ تاریخ۔ امام کے مدبرانہ طرز عمل نے تاریخ کا رخ بدل دیا ملوکیت و شہنشاہیت کو انسانی مفاد کے سامنے جوابدہ ہونا پڑا۔

۸۔ احساس امانت۔ اقدام سے پرہیز۔ مصیبت میں شجاعت۔ ۹۔ تدبیر و سیاست کا بہترین نمونہ۔ ۱۰۔ مرتبۂ شہادت کی عظمت۔ ۱۱۔ قبر کے معمولی معنی امام کی نظر میں نہ تھے بلکہ مرکز انوار و کشف۔ ۱۲۔ امام کا خواب ایک عظیم الشان حقیقت ہے اور بے حد غور و فکر کا محتاج ہے۔ ۱۳۔ آپ نے بار بار قبر رسول پر حضور سے مراتب روحانیت میں اضافہ فرمایا۔ شہادت کے مراتب سے آپکے سوا کوئی واقف نہ تھا۔ شہادت کی جو عظمت رسالتمآب کی نظر میں تھی اس کو

مدینہ سے ہجرت (اور) سفر کی اہمیت

از قلم فاضل شہیر مولانا نعمت امام صاحب حنفی پھلواروی

حضرت امام علیہ السلام کے کارنامۂ حیات کے سمجھنے کے لیے جہاں عقل کو رجحانات سے پاک کر لینا ضروری ہے وہاں دین کی صحیح حقیقت بھی ذہن نشین کر لینا لازمی ہے کیوں کہ بغیر اس کے اس شخص کے سوانح حیات پر تبصرہ نہیں کیا جا سکتا جس کی زندگی کا تعلق ابتدا سے انتہا تک محض دین سے ہو۔

ارسال رسل کا اہم مقصد یہی تھا کہ کائنات عالم کے سامنے صحیح دین پیش کیا جائے تاکہ ان کی ذہنیت میں وہ انقلاب پیدا ہو جس سے حقانیت و روحانیت کی تعمیر ہو اگرچہ بلحاظ زمان و مکان انبیاء علیہم السلام کی تشریعات باہم مختلف ہوتی رہیں۔ مگر روح حقیقت ایک ہی تھی جسے سب نے پیش کیا۔

اسلام کے متعلق خود آں حضرت روحی لہ الفداء نے فرمایا بنی الاسلام علیٰ خمسۃ الحدیث رسول کی اس تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین کی روح صحیح عقائد و عبادات ہی ہیں۔

اس دین کی ترویج میں ان لوگوں کی طاقتیں سد راہ ہوتی رہیں جو اپنے آبائی مسلک سے خواہ غلط ہو یا صحیح سر مو ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ تخریب کے درپے رہے اور دین کے قبول کرنے والوں کے قتل و ایذا رسانی پر آمادہ رہے۔ اس وجہ سے ضرورت تھی کہ دین میں قانون دفاع بھی ہو تاکہ وابستگان دین اغیار کی زد سے محفوظ رہ سکیں اور دین کی آسانی سے اشاعت ہو۔ اسی قانون دفاع کا نام جہاد رکھا گیا۔ چونکہ اول اول تو لوگوں کو سخت ناگوار تھی۔ اس گرانباری خاطر کو دور کرنے کے لئے جہاد کے متعلق تاکیدی و ترغیبی احکام نازل ہوتے رہے۔

لیکن جب جہادیات کی تقسیم اور اموال غنیمت کی بہتات ہونے لگی اور واضح کا لقب ملنے لگا تو اس سے بڑھ کر کوئی مرغوب مشغلہ ہی نہ تھا۔

دور بنی امیہ میں مذہب کے عروج و ارتقا کا نظریہ اس قدر بدل گیا کہ اموال کی فراوانی۔ افرادیت کی کثرت، مذہب کی ترقی و کثرت سمجھی جانے لگی چاہے افرادیت توحید صحیح سے بھی آشنا نہ ہوں ملک گیری و کشور کشائی کی ہوس نے قانون دفاع کی بجائے جنگ و غارت گری کا نام جہاد رکھ دیا۔ اس وقت سے سیاست اصلی شریعت سمجھی جانے لگی۔ چنانچہ اب مدینۂ رسول جو حقانیت و صداقت کا گہوارہ تھا اس کی زبوں حالی کا یہ نقشہ ہے کہ مجمع فسق و فجور کی بدعقائدی کا شوق گلے میں ڈالنے کیلئے سب سے بہتر تحفہ یہی الامانتشاعر نغمات۔ کسی کو یہ بھی احساس نہیں کہ یہ بھی کوئی بری شئے ہے۔ اگر کسی کے دل میں کچھ احساس ہے بھی تو اس کی زبان خوف حکومت سے بند ہے۔ ہر طرف بنی امیہ کے سطوت و جبروت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ رسول کے نواسے سے سختی کے ساتھ یزید کی بیعت کا مطالبہ شروع ہو چکا ہے۔

ان حالات کے پیش نظر بیعت سے انکار کی صورت میں امام حسین کا مدینہ میں قیام جس قدر خطرناک ہے اسی قدر بے نتیجہ۔ حکومت وقت اپنی انتہائی طاقت صرف کرنے کے لئے تیار ہے۔ کئی پشت کی جمی جمائی سلطنت سے مقابلہ کا یہی نتیجہ ہوگا کہ خاندان نبوت تو تباہ ہوگا ہی۔ حرم رسول کی بے حرمتی اور مدینہ کی بربادی کا الزام ہمیشہ کے لئے امام کے دامن پر رہ جائے گا۔

بادی نظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت امامؑ مدینہ میں قیام فرماتے تو آپ کو اہل مدینہ سے کافی امداد ملتی۔ اور اس بیدردی کے ساتھ خاندان نبوت کا استیصال نہ ہو جاتا جس طرح کربلا میں ہوا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر کربلا کی سی صورت مدینہ میں پیش آتی تو حضرت کی حمایت کے لئے کوئی نہیں تیار ہوتا۔ یقیناً کچھ نہ کچھ لوگ ایسے نکل آتے جو حق جاں نثاری ادا کرتے۔ لیکن اس سے نتیجہ میں کیا کامیابی ہوتی؟ ہوتا وہی جو ہوا۔

اہل مدینہ کی نگاہوں میں حضرت کی جتنی قدر و منزلت تھی حضرت کو اس کا پورا پورا اندازہ تھا یہی وجہ تھی کہ "یا ابن رسول اللہ بابی انت" کی صدا میں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال سکیں یہ تو ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ خاندان نبوت کا وہ درجہ اہل مدینہ کی نگاہوں میں نہ تھا جو دوسرے اصحاب اقتدار کا تھا۔

ظاہر ہے کہ حسینؑ سے مبصر انسان کو اس کا کس قدر احساس ہوگا چنانچہ اہل بصرہ کو جو خط آپ نے لکھا اس میں صاف طور سے اپنے حقوق کی پامالی اور اغیار کے منتخب ہونے کا تذکرہ فرمایا اور بتایا کہ ہمارے مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دی گئی . . . .

اب دیکھنا یہ ہے کہ اہل بیتؑ کے مقابلہ میں جن حضرات کو اہل مدینہ نے فوقیت دی اور ان کی عظمت کا لوہا مانا۔ ان کا کہاں تک ساتھ دیا۔

حضرت عثمان غنی ایک دن دو دن نہیں بلکہ پورے چالیس دن تک محاصرہ میں رہے۔ لیکن یہ تو اہل بیعت کے کوئی آن کے آب و دانہ کا لحاظ کرنے والا بھی نہ تھا یہ بھی نہ تھا کہ محاصرین کی کوئی بڑی بھاری فوج تھی جس کا مقابلہ اہل مدینہ نہیں کر سکتے تھے۔ مصر کی تھوڑی سی فوج تھی اور کیا تھا؟

تمام وہ لوگ جنھوں نے بیعت کی تھی اور حمایت کا بیڑا اٹھایا تھا نہ معلوم کس غفلت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ نہ کسی نے اپنے خلیفہ مظلوم کی حمایت میں تلوار اٹھائی نہ کہیں سے وفاداری کی کوئی کمک آئی۔

ان تجربات کے ہوتے ہوئے حسینؑ سا صاحب الرائے انسان کس

امید پر مدینے میں قیام کرسکتا تھا۔ ہاں ایک ہی صورت قیام کی ہوسکتی تھی وہ یہ کہ حسینؑ بھی معاذ اللہ بیعت یزید کرلیتے۔ اور لا تعاونوا علی الاثم والعدوان کی آیت کریمہ کو فراموش کردیتے۔ مگر امام عامل بالکتاب اسے کیوں کر گوارا کرسکتا تھا۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء چودھواں رکوع ان الذین توفیٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم۔ قالوا فیم کنتم؟ قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا ملائکہ جب ظلم علی النفس کرنے والوں کی روح قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس مذہب میں تھے؟ (الناس علیٰ دین ملوکھم) تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو زمین میں مغلوب تھے۔ مگر ان کا یہ عذر قابل قبول نہیں سمجھا جاتا ہے اور ملائکہ ان پھر جرح کرتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کرکے کہیں چلے جاتے؟۔

اس آیۂ کریمہ کا منطوق یہی ہے کہ جب کسی مقام پر دینی آزادی نہ حاصل ہو اور بے دینی کی تائید پر مجبور کیا جائے تو اس وقت ہجرت کرنا ضروری ہے۔

خود حضرت نے بیضہ والے خطبہ میں ایک طویل حدیث بیان کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ ظالم سلطان سے اگر کوئی عملاً نہیں تو کم سے کم قولاً اختلاف نہ کرے تو اللہ تعالیٰ پر از روئے عدل واجب ہے کہ اس کو بھی سلطان ظالم کی جگہ جہنم میں ڈال دے۔

ان حقائق پر غور کرنے کے بعد یہ تو کہا جا ہی نہیں سکتا کہ یزید کی بیعت کرلینا جائز تھی تو پھر روشن ہے کہ حضرت کے لئے ہجرت کرنا ناگزیر تھا۔

اب یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ مدینہ سے کس طرف ہجرت کرنا مناسب اور مفادِ دینی کے لئے مفید تھا۔

حضرت امام علیہ السلام کی پیش بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ بنی امیہ کو نہ حلال وحرام کی پروا ہے نہ ان کے دلوں میں شعائر اللہ کی عظمت باقی ہے وہ یقیناً خانہ کعبہ پر بھی حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ آپ اپنے لئے حرم کعبہ ہی نہیں بلکہ حرم رسول کو بھی امن نہیں سمجھتے تھے — ہاں اتنا ضرور ہے کہ جب کوئی حکومت بڑا اقدام کرنا چاہتی ہے تو اس کے لئے موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔ بالخصوص خانہ کعبہ پر حملہ کرنا جو تمام عربی ذہنیت سے مستقل جنگ تھی۔ اس کا جلد وقوع پذیر ہونا آسان نہ تھا۔ بالخصوص ایام حج میں کیونکہ تمام اطراف و جوانب سے لوگوں کا گروہ آتا ہے۔ ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگنا سخت بلوہ کا باعث ہوسکتا تھا۔ رفتہ رفتہ بڑے بڑے جرم انسان کرسکتا ہے اور دوسرے بھی دیکھتے دیکھتے عادی ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص اگر مذہبی رنگ میں رنگ دیا جائے تو دوسرے بھی اس جرم کی طرف سبقت کرتے ہیں لیکن یکایک کوئی سخت جرم اس قسم کا کرنا سخت ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔

اس لئے اگر کچھ دنوں کے لئے امن ہو سکتا تھا تو فقط حرم کعبہ۔ چنانچہ حضرت نے مکہ میں ورود فرمایا اور حرم میں پناہ لی۔

اسی ایام رمضان کا واقعہ ہے جس میں عمر ابن زبیر نے کہا کہ لنقاتلنہ فی جوف الکعبۃ علیٰ رغم انف العباس۔ رغم ملاحظہ ہو صفحہ ۱۹۲ طبری جلد سادس

ہم عبداللہ ابن زبیر سے خانہ کعبہ کے اندر مقابلہ کریں گے جو اسے باعث ننگ سمجھتا ہوا سے ذلیل کرنے کو۔ افسوس ہے کہ باوجود اس کے عبداللہ بن زبیر اور دیگر حضرات کو خانۂ کعبہ کی امنیت پر پورا اعتماد رہا۔

حضرت نے جب دیکھا کہ اب ایام حج ختم ہو رہے ہیں اور موقع نازک ہے اور کوفیوں پر اعتماد کی جو ظاہری صورت ہو سکتی تھی ہو چکی تو آپ نے کوفہ کا قصد فرمایا۔ فرزدق نے ذات العرق میں اس عجلت دریافت کی تو فرمایا کہ اولم اعجل لاخذت ملاحظہ ہو صفحہ ۲۱۸ طبری جلد سادس اگر میں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا۔

حضرت کا مکہ میں ورود تمام عالم اسلامی کو ایک خاموش پیغام تھا جس نے سننے والوں کو اتنا سنا دیا کہ حسینؑ یزید کی خلافت سے جس کی بنیاد اثم و عدوان پر ہے سخت بیزار ہیں اور اس کی بیعت سے دست کش ہیں

سکوت ماست تمنا بیان ہر غم دل
ہزار گفتنی ماہست در نگفتنی خویش

یہ تو محض دینی فائدہ تھا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ تمام مسلمانوں کے خیالات و رجحانات کو معلوم کرنے کے بعد اپنے لئے راہ عمل معین کرنے کا موقع ملا۔

کوفہ کا انتخاب

سب سے زیادہ جو چیز کھٹکتی ہے۔ وہ یہ کہ باوجود اس کے کہ حضرت کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا پورا تجربہ تھا۔ جو خود آپ کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ المغرور من اغتر بکم دھوکے میں وہ ہے جو تمہارے فریب میں آئے اس کے بعد پھر کوفہ کا قصد کیوں فرمایا؟ بظاہر یہ ایک پیچیدہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے لیکن اگر صحیح تامل سے کام لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔

جہاں کوفیوں کے بہیترے معائب ہیں وہاں کچھ محاسن بھی ہیں جن کو نظر انداز کردینا انصاف کے خلاف ہے۔

کسی حال میں یہ چیز نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ کیا وجہ تھی کہ اہل کوفہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ امام کو دعوت دی جائے۔ اور آپ سے بیعت کی جائے یہی خیال اہل مکہ یا اہل مدینہ کو کیوں نہیں پیدا ہوا امام کے پاس کوفیوں کے سینکڑوں خطوط آئے۔ کوفیوں نے اٹھارہ ہزار کی تعداد میں بیعت کی۔ قطع نظر اس سے کہ اپنی بیعت پر آئندہ چل کر قائم رہے یا نہ رہے لیکن یہ تمام خبریں مکہ پہنچتی رہیں باایں ہمہ کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ حضرت سے بیعت کرتے۔ ہاں مشورہ دینے کے لئے پوری دنیا تھی۔

یہ تو کہا جا ہی نہیں سکتا کہ کوفیوں نے کسی سازش کے ماتحت یا قصداً فریب دینے کے لئے دعوت دی تھی ہاں یہ درست ہے کہ انھوں نے دعوت دینے سے پیشتر اپنی قوت و ثبات قدم کا اندازہ نہیں کرلیا یہ غور کیا کہ کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں۔ جان کا ہدیہ پیش کرنے کی ہم میں ہمت ہے کہ نہیں چونکہ ان کی عقل خدا داد ان کے پاس تھی اور وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی مرکزیت کس سے وابستہ ہو سکتی ہے اس بنا پر انھوں نے دعوت نامے بھیجنا شروع کردیئے اگرچہ ان کے دلوں میں جنت و شجاعت نہ تھی اور وہ

قول پر جان دینا نہیں جانتے تھے۔ ان کی یہی نافہمی و ناعاقبت اندیشی ہمیشہ ان کو رسوا کرتی رہی اور غدار و خائن کے القاب سے دنیا میں مشہور کرتی رہی۔ بہرحال سوال یہ ہے کہ کیا امام حسینؑ کے لئے جائز تھا کہ ان کی دعوت مسترد کر دیتے اور محض اپنے سابق تجربات کی بنا پر غدار و کذاب سمجھ کر کسی دوسری طرف کا قصد کرتے۔

(واضح رہے کہ یہ چیز بتائی جا چکی کہ مکہ سے حضرت کا کسی دوسری طرف جانا تحفظ حرمت حرم کے لئے ضروری تھا)

کسی کے دل پر حملہ کرنا ہرگز کسی مذہب میں جائز نہیں اور سورۂ عبس گواہ ہے کہ طالب کو ٹھکرا دینا روا نہیں۔ صحاح میں ہے کہ ایک بزرگوار صف جنگ میں مسلمانوں کو قتل کرتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے تھے جب ایک کا فر کے سر پر پہنچ گئے جس کا اس وقت کوئی مددگار نہ تھا۔ غریب فوراً کلمہ پڑھنے لگا مگر بزرگ موصوف نے اس کا کام تمام ہی کر دیا۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سخت باز پرس کی انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا تھا۔ آپ نے (صلی اللہ علیہ وآلہ) فرمایا کہ ھلا شققت قلبہ۔ اس کے بعد فرمایا اللھم انی ابرء الیک مما صنع یعنی کیوں نہیں اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ـــــ اے پروردگار میں [illegible] کے فعل سے بری ہوں

اب یہ چیز واضح ہو گئی کہ کوفیوں کی دعوت پر لبیک کہنا مذہبی فرض تھا۔ بلا شبہ ان لوگوں کی اصلاح کی امید کی جا سکتی ہے جو حق کو پہچانتے ہوں برخلاف ان کے جو حق کو پہچانتے ہی نہ ہوں یہ سب تھے کہ امام حسن علیہ السلام کے ساتھ جناب مسلم کے ساتھ کوفیوں نے بے وفائی کی اور انھیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اگر انسان اپنی نفسیات کا مطالعہ کرے اور غور کرے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ جان دینا کوئی آسان کام نہیں تاوقتیکہ کوئی زبردست جذبہ ایمانی یا شیطانی کارفرما نہ ہو۔ میدان جنگ سے بھاگنا کوفیوں کا ہی حصہ نہیں ہے

اے بسا ہیبت کہ در شہر شما نیز کنند

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا اذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون مگر حضرت موسیٰ ان کی اصلاح سے نا امید نہیں ہوئے۔ اور ان کو چھوڑ نہ دیا تو بھلا نور نگاہ رحمۃ للعالمین اپنے چاہنے والوں کو کیوں کر چھوڑ دیتا۔

وداع حرم

حضرت امام نے سفر کے لئے قدم کیا اٹھایا ہر مقام پر تعلیمات اسلام کی اشاعت اور ہر مقام پر سنت نبویہ کا احیا فرمایا۔ آپ نے اہل مکہ کو بتا دیا کہ حرم کی بے حرمتی ہونے والی ہے میں ڈرتا ہوں کہ میری وجہ سے خانۂ خدا کی عظمت کو صدمہ نہ پہنچے مجھے ایک بالشت مکہ سے دور قتل ہونا ایک بالشت قریب قتل ہونے سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت نے احرام حج توڑ دیا اور وہ سنت نبویہ جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر دکھلائی تھی اسے دوبارہ یاد دلایا جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ خانۂ کعبہ کی کیا عظمت ہے اور اسلام میں حرمت کا سبب بڑا گناہ ہے۔ نیز اس چیز کی طرف بھی ہدایت تھی کہ اصلاح خلق عبادات سے افضل ہے۔ ہر منزل پر لوگ آپ کو روکتے اور آپ انھیں جواب میں یہ ہدایت فرماتے کہ اللہ کے امر پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا وہ جو چاہتا ہے ہو کے رہتا ہے۔ اس طرح سے آپ قلوب کو ظن جاہلیت سے پاک کرنے کی کوشش فرماتے اور یہ بتا دیتے کہ تسلیم رضا کی منزل کا شہسوار دام ہوس میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل میں "ایسا کرتے تو ویسا ہوتا" کا گذر ممکن نہیں کیوں کہ یہ نقص ایمان کی علامت ہے۔

یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھٰھنا قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیھم القتل الی مضاجعھم

منزل زبالہ میں آپ نے صفائے باطن وسعت صدر توکل علی اللہ کی بے نظیر مثال پیش کی نہایت کشادہ پیشانی کے ساتھ اپنے تمام ہمراہیوں کو اجازت دیدی کہ جس کا جی چاہے مجھے چھوڑ کر چلا جائے اس عین وقت پر دھوکا دینا سخت گناہ و معصیت ہے حسین کی غیرت اسے قبول کر نہیں سکتی کہ حسین کے رفیقان سفر کے دامن پر غدر و خذلان کا دھبا آئے۔

منزل ذو حسم میں دشمن سے مدارات انسانی ہمدردی و مساوات کے بے بہا اسباق پیش کئے۔

عذیب ہجانات میں طرماح کو جواب دیتے ہوئے دنیا کو بتا دیا کہ زبان کی کیا قیمت ہے۔ پورے خاندان کی تباہی و بربادی منظور کر لی اور وعدہ خلافی کے خیال کو بھی ٹھکرا دیا۔

کربلا میں بتا دیا کہ رحمۃ للعالمین کا جگر گوشہ اپنی طرف سے جنگ کی سبقت نہیں کرتا۔ چاہئے اس میں کیسا ہی نقصان ہو اور یہ علیٰ الخیر تھی من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ کی یا تشریح جس کو العلیٰ علوا ذات اللہ کی۔

حسین۔ شاکر برمحل

حسین صبر جسم و جاں

حسینؑ صد بہار زیست
حسینؑ لالہ زار زیست
حسینؑ میر درد و غم
حسینؑ آبشار زیست
حسینؑ روح زندگی
حسینؑ جسم زار زیست
حسینؑ حسن زندگی
حسینؑ شاہکار زیست
حسینؑ بحر حسن و عشق
جہانِ خوش گوار زیست

(آزاد فتح پوری)

یثرب کا مسافر سرزمین کربلا پر

از فاضل جلیل مولانا سید کاظم صاحب نقوی عالم (لکھنؤ یونی ورسٹی)
ابن سرکار ممتاز العلماء مولانا سید ابوالحسن النقوی طاب ثراہ

ارادوں میں پختگی اور عزائم میں استحکام، مقصد اور اصول کی بلندی کے لحاظ سے پیدا ہوا کرتا ہے مقاصد جتنے بلند ہوں گے انسان کا قدم ان کے حصول میں اتنی ہی تیزی سے آگے بڑھے گا۔ مستقبل کی روشنی، عہد آئندہ کا چمکتا ہوا پر امید آفتاب، ماضی اور حال کی موجودہ اور گزری ہوئی تمام پیش نظر تاریکیوں کو اسی طرح چھانٹ دیتا ہے جیسے شب کے دھندلکے کے بعد سپیدۂ سحر کا نورانی اور ضیا بار جلوہ۔۔ مصائب و آلام کے گرجتے ہوئے بادل ہمیشہ انہی سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں جن میں حصول مقصد اور منزل تک پہونچنے کی دھن سما چکی تھی —— یقیناً مصیبتوں کی چمکتی ہوئی بجلیوں نے رنج و غم کی برستی ہوئی کالی گھٹاؤں نے تلاش منزل کرنے والوں، اور سراغ راہ لگانے والوں کو ضرور بالضرور لرزہ بر اندام کر دیا ہوگا مگر مضبوط اور پر عزم دل کے حوصلوں کو نہ کبھی دہلایا جا سکا۔۔ اور نہ اُن پر رعب و داب کا سکّہ جمایا جا سکا۔ قدم لرز سکتے ہیں، بدن کانپ سکتا ہے، ہاتھ تھرا سکتے ہیں۔ مگر بلند مقصد کا جویا دل ہرگز نہیں مرعوب ہو سکتا۔

تکلیفوں، رنجوں، اور غموں کے پہاڑ ایسے انسان پر گرتے ہیں اُسے کچلتے ہیں یقیناً وہ کچل جاتا ہے، جسم سر مہ اور ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے لیکن یہی مصیبتیں اُسے دبا دبا کر اس کے عزم و ارادہ میں وہ لچک پیدا کر دیتی ہیں۔ کہ دب دب کر ابھرنا اور کچل کچل کے سربلند ہونا اس کی خودداری کا تقاضا اور شرافت نفسانی کا مقتضا بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی حدیں مل جاتی ہیں مگر مظلومیت، صبر، اور قوت برداشت کی سرحد کا نشان تک نہیں ملتا۔

بلند مقاصد کی جستجو ہی انسان کو سیلابوں کے مقابلہ اور حوادث و انقلابات کے طوفانوں سے برسر جنگ ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ کمزور، ضعیف البنیان، ناتوان انسان میں کہاں بھلا اتنی تاب مقاومت تھی کہ وہ سمندروں کو اسی سینہ سے ریلتا ہوا اور پہاڑوں کا اسی دل و جگر سے مقابلہ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا۔ لیکن ارادے کی مضبوطی، عزم کا استحکام وہ تھا جس نے ذرہ کو آفتاب سے اور سنگ ریزہ کو سر بفلک پہاڑ سے ٹکرا دیا۔

حسینؑ وہ حسینؑ جن کے مقاصد کے نورانی تار خالق کے خزانۂ مشیت سے ملے ہوئے تھے۔ جن کی نظر ایک اور صرف ایک خدا کی مرضیوں پر جمی ہوئی تھی۔ جو اپنے مقاصد کے لیے نہیں الٰہی مقاصد کو زندہ کرنے کے لیے کمربستہ و آمادہ ہوئے تھے۔ جو دل میں یہ جذبہ لے کر اُٹھے تھے کہ تو سہی، بندہ وہی بندہ جو دنیا کو بھولے ہوئے خدا کی یاد پھر دلا دے —— بتاؤ جو ان بلند مقاصد کو لے کر اٹھا ہو کیا اس کے سینہ میں ہمالیہ ایسا دل نہ ہوگا۔ جو ان اونچے مقصدوں کا علمبردار ہو اس کا عزم و ارادہ جبال راسیات سے باتیں نہ کر رہا ہوگا۔ اس کی پشت پر طاقتور خالق کا دست قدرت نہ ہوگا۔ یقیناً حسینؑ کے سامنے اگر اپنے مقاصد کے سلسلہ میں سیلاب مصائب تھا تو ان کے پہلو میں پہاڑ ایسا بلند اور مستحکم دل بھی تھا۔

وہ تمام مظالم کو تمام مصیبتوں کو صرف ایک سپر پر روک رہے تھے اور وہ "جذبہ نصرت حق" یہ آواز حقانیت پر لبیک وہ تھی جس نے عالم کے دلوں کو ہمیشہ دہلایا اور آج بھی دہلا رہی ہے۔ اسلام کی ھل من ناصر ینصرنا کی صدا حسینؑ! دل و دماغ رکھنے والے کے لیے بڑی جگر خراش۔ اور تکلیف دہ تھی۔ انھوں نے طے کر لیا کہ میری زندگی کا صرف ایک ماحصل اور مقصد ہے اور وہ حق کی نصرت۔ اچھا چاہے مجھے وطن کو چھوڑنا پڑے لیکن اسلام کو بے گھر نہ ہونے دوں گا نانا کی قبر اں کی لحد بھائی کا مزار سب کے چراغ میرے نہ ہونے سے بجھتے ہیں تو بجھ جائیں مگر شمع حرم کو خاموش نہ ہونے دوں گا —— واللہ حسینؑ نے جو کہا وہ کر کے دکھایا۔

مکہ میں جا کر پناہ لینا اور وہاں پناہ نہ ملنا۔ زندگی کے آخری حج کی تمنا اور حج نہ کر سکنا عمرہ سے بدل کر مکہ کو چھوڑ دینا۔ یہ وہ مصائب تھے جو حسینؑ نے ہنسی خوشی برداشت کیے کس بنا پر صرف اپنے بلند مقصد کی امداد اور سہارے پر۔

رسولؐ کا نواسہ مدینہ سے ہجرت کر چکا حسینؑ راستہ طے کر رہے ہیں منزل مقصود تک پہونچنے کے لیے۔ دنیا مصیبتیں جھیلتی ہے تکلیفیں اٹھاتی ہے زندہ رہنے کے لیے مگر حسینؑ مصائب برداشت کر رہے ہیں مر جانے کے لیے۔ لوگ منزلیں طے کرتے ہیں صعوبات سفر برداشت کرتے ہیں زندگی کے قائم رکھنے کے لیے اور حسینؑ سفر کر رہے ہیں مسافتیں طے کر رہے ہیں کاروان حیات کو موت کی منزل تک پہونچانے کے لیے

پہلے حسینؑ کا سفر تمام ہوا۔ تھکا ہوا مسافر منزل پر پہنچ گیا۔ مقصد کے
فراق یا سرگرداں نقطۂ مقصد پہ آگیا۔ خود نہیں کسی کا لایا ہوا۔ یثرب
سے چلا ہوا مسافر، مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو چھوڑ کر تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا
وہاں پہونچا جہاں کا وعدہ ازل سے ہو چکا تھا۔ آج محمدؐ کا نواسا
عالمِ ازل سے انتظار کرتے کرتے اپنی اسی وعدہ گاہ پر آ ہی گیا۔ حسینؑ
کو خوشی ہوگی، دل شاد و فرحاں ہوگا کہ الحمد للہ اس منزل پہ کاروانِ
سفر ٹھوکریں کھاتے کھاتے پہونچ گیا۔ جس کا مجھ ہی کو نہیں میرے نانا
محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور بابا علی مرتضیٰ کو مجھ سے پہلے
انتظار رہ چکا تھا۔

کربلا کا فاتح زمینِ کربلا پر اترا۔ کہا جاتا ہے کہ امام کا وفادار
گھوڑا۔ چلتے چلتے یکایک رک گیا امام کو توجہ ہوئی اصحاب سے مخاطب
ہوکر دریافت کیا کہ اس مقام کا کیا نام ہے۔ کسی کہنے والے نے کہدیا
کہ اس زمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ حسینؑ کے لئے یہ آواز کوئی نامانوس
آواز نہ تھی۔

وہ ابتدائے آفرینش سے کربلا کا نام سنتے رہے تھے۔
ماں کی آغوش، باپ کی آغوش اور نانا کی آغوش میں وہ کربلا
انتظار سی گود کا تھا۔ جہاں آج حسینؑ اپنے کو پا رہے تھے۔

ادھر کربلا پہ قدم رکھتے ہی امام حسینؑ نے فرمایا کہ واللہ یہی وہ
زمین ہے جہاں ہمارے خون بہائے جائیں گے۔ یہاں ہماری عزت
و حرمت کو برباد اور تباہ کیا جائے گا۔ گویا امام ان الفاظ کے واسطے
سے اپنے اصحاب اور انصار کے دلوں کی گہرائیوں کا اندازہ
کرنا چاہتے تھے کیا کہنا اس وفادار ثابت قدم اور دلیر جگر اصحاب کا۔
حسینؑ کے یہ الفاظ ان کے عزم اور ارادوں کے لئے ممد و معاون
اور سہارا ثابت ہوئے۔ یاد رہے کہ مصیبتیں آجانے کے بعد بھنور
میں پھنس جانے کے بعد سیلاب کی زد پر آچکنے کے بعد شیر کے پنجہ میں گرفتار
ہوجانے کے بعد جاں نثارانہ اور ثابت قدم رہنا اور ہے لیکن پہلے سے ہلاکت
کے یقین کے بعد موت کا منہ دیکھ لینے کے بعد، موت کے تخیل کی تصدیق
امام کی زبانی ہوچکنے کے بعد، فنا کی آغوش میں ہنستا کھیلتا مسکراتا جانا
اصحابِ حسینؑ کا ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے۔

موت کی بجلی چمکے اور آنکھیں نہ جھپکیں، لرزتی رہیں۔ فنا کے
بادل گرجیں، بدن نہ کانپے ثبات اور بڑھتا جائے۔ مصائب کا
سیلاب بڑھے تیرنا ورنہ ڈوبے اور ابھرتا جائے۔ یہ مرقع یہ منظر اور کہاں
ہے تو کربلا کے دامن میں اصحابِ حسینؑ کی روشن سیرتوں میں۔

اچھا حسینؑ اترے خیمے نصب کرنے کا حکم دیا۔

وہ عرب کی دھوپ، وہ آفتاب کی تمازت، وہ گرمی کی شدت،
وہ جلتی ہوئی زمین، وہ تپتا ہوا جنگل، اور حسینؑ کے خیموں کا فرات
کے کنارے سے ہٹ کر کربلا کی گرم ریتی پر لگایا جانا۔

حسینؑ کے ساتھ بچوں اور سرد و گرم زمانہ کے بڈھوں کے علاوہ گرم جوش
حوصلہ مند اور بہت جوان بھی تھے۔ لیکن یہ کہنا کہ اصحابِ حسینؑ کی اطاعت
کا کوئی ایک زبان وہ نہ تھی جو امام کے حکم سے سرتابی کرتی ہوئی نظر آتی
خیر یہ بھی وقت آیا اور گزر گیا۔

زمانہ تیزی سے گزر رہا ہے لیکن حسینؑ ہر گزرتے ہوئے لمحے کو اپنی
معصومیت کا گواہ بنا بنا کر رخصت کر رہے ہیں۔ صلح کی گفتگوئیں جاری ہیں۔
ہر امکانی کوشش امن و سلامتی کی کی جا رہی ہے۔ ہوگا وہی جس کی خبر
حسینؑ پہلے ہو چکے ہیں۔ مگر فریب و سیاست کے حاملوں کا ہر بہانہ
حیلہ سازی اور عذر تراشی کا ہر موقع کیوں نہ قطع کر دیا جائے۔
ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومیت کی سرخی کیوں نہ اتنی نمایاں ہو جائے کہ فلک پہ شفق بن کے
ظاہر ہو۔ امام حسینؑ چاہتے تھے کہ میں حق کو باطل اور باطل کو حق سے
اس طرح الگ کر دوں کہ بہرے کو بہ باطل اور دل کے اندھے متعصب
کو بھی گنجائش چون و چرا باقی نہ رہے۔

لیکن ادھر امام حسینؑ کی وہ صلح جویانہ کوشش اور دشمن پر
اتمامِ حجت کی آخری منزلیں اور ادھر طاقت و قوت پر گھمنڈ، ظلم
و ستم، جبر و تشدد و غرور، حکومت کا نشہ، دولت و سلطنت کی سرمستی
جاہ و جلال، مال و منال، فوج و لشکر پہ ناز، اپنی فتح کا یقین، یہ وہ
چیزیں تھیں کہ امام حسینؑ صلح و آشتی، قیام امن کی پیش کش اور خواہش
کرتے رہے اور اس کے جواب میں انکار پہ انکار تہ ولیہ پر زور دیتے
ہوتی رہی۔

ظالم کو کیا معلوم تھا کہ صبر سے ظلم و تشدد کی چکی سے کہیں
زیادہ مستقل مظلومیت کا سرمایہ ہے، وہ ظاہر بین نگاہیں
کیا جانیں کہ حسینؑ کے دل میں عزم کی کتنی گہرائیاں ہیں
ان کے استقلال و ثبات کی کیا منزل ہے۔ وہ ظلم سے
حق کو دبانا چاہتا تھا۔ حسینؑ مظلومیت سے حق کو ابھارنا
چاہتے تھے۔

ساتویں محرم آئی اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر پانی بھی
بند کر دیا گیا۔ اطفالِ مصطفیٰ کے جگر خراش نعرے بلند ہوئے
لیکن قربان ہوں ہماری جانیں ان بچوں سے کہ ان پو دھوں وہ
پھر پردہ دار عورتوں پر حسینؑ کے عزم و ارادہ میں فرق کیسا۔
بلکہ استحکام اور ثبات قدمی اور بڑھتی گئی۔ لمحات زمانہ گزرتے
گزرتے اور انتظار کی گھڑیاں سمٹتے ہوئے عاشور کی رات اپنی خوفناک
وحشت ناک پیکر میں اضطراب سے حسینؑ کی دنیا اپنے ساتھ لے کر
آئی۔ یوں تو بہت سی راتیں آئیں اور گزر گئیں مگر کربلا کی سرزمین
پر شبِ عاشور جن خصوصیات کو اپنے دامن میں لے کر آئی وہ
وہ نہ اس سے پہلے نظر آتے ہیں اور نہ اس کے بعد دنیا میں واقع
حاصل کئے گئے ہوں گے، پہلے کبھی دیکھی ہوں گی۔ لیکن فوجوں کو
بڑھانے کے لئے۔ لشکروں میں اضافے کے واسطے۔ تلواروں پر
صیقل اور نیزوں کو تیز کرنے کی غرض سے۔ مگر کربلا کی یہ انوکھی

قصیدہ در مدح سیّد الشہداء

تراوش خامہ براعت شمامہ ادیب شارف نواب سید خاقان حسین خاں صاحب عارف دام ظلہ (کانپور)

از چہ ملک ناشکیب روح حزینست   وازچہ جہاں پُر ز شور آہ و انینست

از چہ مرا چشم گشت یم بہ روانی   وازچہ دلم ناصبور و نفس غمینست

جان من ار بے قرار گشت عجب چیست   زانکہ دریں بزم ذکر سرور دینست

از چہ نباشم فدائے عزّ و جلالش   آں کہ حسینؑ شہید بود و ہمینست

قالب و بش مرکز جلال و جمالست   کشور جانست آں کہ کشور چینست

آنکہ وجودش وجود عالم ہستی   وانکہ ہمہ خلق را کفیل و معینست

آنکہ کمالش ز عقل خلق برونست   وانکہ مقامش ورائے عرش برینست

آنکہ جہان پیش او بہیچ نیرزد   در برابرش چہ آسماں چہ زمینست

از چہ نباشد چنیں کہ ذات و صفاتش   عقل نخستین و روح روح امینست

عزم بلندش و نقطۂ کن فیکون گفت   شاہد علمش ببیں کتاب مبینست تو

پاک چہ ار گوہرش چو احمد مرسل   زانکہ دگار شرع و دین متینست

روئے نیاز و گہے بجنت اعلےٰ   ساکن کویش اگرچہ خاک نشینست

ہر کہ تنش خاک شد چو خاک حریمش   نزد خرد مردہ نیست ارچہ دفینست

قطرۂ آبے نیافت تشنہ و ہالش   ہر یکے از موج خون شان چنیں جبینست

(مخاطبت)

آنکہ کمالات برون ز وہم ملائک   وانکہ جلالت یقیں و عین یقینست

دیدہ ارباب عشق نور تو خواہد   در صف اہل کمال شور تو بینست تو

قدر تو داند نیاز و ناصیہ ساید   روئے تو بلند نماز و سوز حزینست

وصف تو گوید زبان فخر نماید   خوئے تو داند خرد کہ با تو قرینست

زود رساند مرا بجانب بالا   سلسلۂ مہر تو کہ حبل متینست

ہر کہ ورا بندہ گشت خلد ز آتش   حور ورا چاکرست و ملک امینست

در خور اندوہ تو فغاں کہ تواند   اے کہ غمت تا بروز باز پسینست

من بعدایت اگر بہ حال تو ریزم   ہر گہر اشک بہ ز دُرّ ثمینست

تو بہ شجاعت مثیل خویش نداری   در بر عزم تو گر بہ شیر عرینست

خصم تو بیند کجا جمال بہشتے   در ہمہ عالم لعین چو شمر لعینست

دشمن تو کے رسد بہ کعبۂ ایماں   اہرمنش دستگیر و ہم بکمینست

فاش بگویم ترا ز روز نخستیں   عبہر خدا ہر چہ ہست زیر نگینست

عارف دل خستہ گرچہ بگوید   گرچہ خیالش بلند و عزم رزینست

من بہ ستایش دروغ ہیچ نہ گفتم   تا تو بگوئی خموش ہیچ چنینست

دوست تو ہست در بہشت گرامی   دشمن تو تا ذلیل و خوار و مہینست

اہل بہشت آنکہ قدر تو داند   اہل حسد را عذاب و آہ و انینست

راست ہمہ گفتہ ام چناں کہ تو دانی   بحر ہمہ لاغر است و وصل سمینست

ھ بحر منسرح مثمن مطوی اصلم نحذ دف۔ تقطیع: از چہ ملک مفتعلن : ناشکیب فاعلات روح حزی مفتعلن انست فاع۔ چونکہ قصیدہ بحر غیر متعارف میں ہے مبادا کوئی ناموزوں سمجھے لہٰذا تقطیع لکھ دی

صبحِ عاشورا

از جناب باقر رضوی امانت خانی (حیدرآباد دکن)

وہ ٹھنڈی کرنیں سورج کی وہ موجیں بہتے دریا کی
علی اصغرؑ کی آنکھوں میں نمودِ صبح کی خنکی

شعاعِ مہر میں ہے رنگِ خوں عباسؑ و قاسمؑ کا
سپیدی ہیں سحر کی عابدِ بیمار کا چہرہ

وہ طوفانِ شجاعت حضرت عباسؑ کے دل میں
وہ مشکیزے کی کچھ پرچھائیاں پاکے ساحل میں

وہ رنگت ڈونے سرورؑ سے کمالِ بیکسی اظہر
ہتھیلی پر وہ انصارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے سر

رسول اللہ ﷺ کے لحنِ مبارک میں وہ تکبیریں
اذاں اکبرؑ کی اور بادِ سحر رحمت کی موجوں میں

سحر کی کیفیت نے راز کھولے حرزِ بازو کے
دلِ قاسمؑ میں وہ سرورؑ پہ مرجانے کے منصوبے

بجھانا شمعِ لیلیٰ کا وہ بیداری غضنفرؑ کی
سحر کی روشنی میں روئے اکبرؑ کی ضیا پاشی

بہتّر جاں نثار اور تین دن سے بند وہ پانی
وہ امکاں کی نگاہوں میں سرِ زینبؑ کی عریانی

وفا کی روح کا بیعت وہ کرنا اک نمازی کی
مثالِ صبحِ صادق وہ جبیں عباسؑ غازی کی

بنِ کاہل کا وہ ترکش میں رکھنا تیرِ سہ شعبہ
ربابِ دل حزیں کا حلق پر اصغرؑ کے وہ بوسہ

وہ قتلِ شہ کی خاطر سیکڑوں اعدا کی صف بندی
وہ خاکِ دشت کی خاکِ شفا بننے کی تیاری

ستارہ صبح کا بن کر چمکنا وہ مقدر کا
وہ حُر کا خوابِ راحت سے عجب انداز سے اٹھنا

اثر کرنا عطش کا دل پہ وہ آتش فشاں ہو کر
نکلنا وہ علی اصغرؑ کی سانسوں کا دھواں ہو کر

طلوعِ صبح نے جب دم افق سے ضوفشانی کی
ہوئی سرورؑ سے رخصت آخری شب زندگانی کی

نئے انداز سے ہوتی ہے ظاہر صبحِ عاشورا
عجب کیفیتیں رکھتی ہے باقرؔ صبحِ عاشورا

ماتمِ عزا!

از جناب آغا اختر تلہری مدظلہ

تجھ کو معلوم نہیں منزلتِ شبیری
تو ہے اندازِ یزیدی کے ثنا خوانوں میں

خونِ مظلوم کے آثار دبانے والے
نام بھی اپنا لکھاتا ہے تو نادانوں میں

تیری خواہش ہے کہ ہو سطوتِ باطل کو فروغ
شمعِ روشن نہ رہے دین کے کاشانوں میں

اس جنوں خیز روش سے تو اے بیگانۂ ہوش
سرخرو ہو نہیں سکتا ہے مسلمانوں میں

قطعات

(از شاعرِ ترقی پسند جناب ذابر فتحپوری)

کربلا

اجڑا اجڑا سا کربلا کا بن
بیٹھا بیٹھا سا دل جلوں کا من
اُکھڑی اکھڑی سی سانس "باطل" کی
زخموں سے چور چور "حق" کا تن

علی اصغرؑ

تو بھی اک "محسنِ امامت" ہے
"خامشی" — تیری اک "قیامت" ہے
ننھی ننھی کلائیوں میں — تری
"شاہ خیبر شکن" کی قوت ہے

جانِ حسنؑ

اے "جانِ حسنؑ" "روحِ علیؑ" "نورِ پیمبرؐ"
محتاج تھی مہرے کی ترے "دخترِ اسلام"
"دوشیزۂ اسلام" پہ قربان کیا "دل"
مٹنے کا نہیں "دہر" سے تا حشر ترا "کام"

عونؑ و محمدؑ

اے "زینبِ دلگیر" کے دل عونؑ و محمدؑ
تیور میں چھپائے ہوئے "جعفرؑ کی جوانی"
ماموں پہ فدا ہوگئے "دو روز کے پیاسے"
جب پیاس لگی پی لیا تلوار دلوں کا "پانی"

حسینؑ!

"فلکِ زیست" کا تابندہ ستارا ہے حسینؑ
"موجۂ ظلم" میں انساں کا سہارا ہے حسینؑ
کل۔ طرحدار زمانے میں بہتر تھے فقط
آج۔ ہر قوم یہ کہتی ہے "ہمارا ہے حسینؑ"!

صبر و شکر

(از جناب محمد میرزا صاحب نوا سیتاپوری)

ہوگیا قتل مہماں شکر کیا حسینؑ نے
مٹ گیا حیدری نشاں شکر کیا حسینؑ نے
بیٹے نے کھائی برچھیاں شکر کیا حسینؑ نے
دیکھ کے حال بے زباں شکر کیا حسینؑ نے
میرے خدا کہاں کہاں شکر کیا حسینؑ نے

اس میاں کے کلام بے زور تھا حیدری ترا
قلب جہاں پہ نقش ہو سکۂ صفدری ترا
قابلِ سجدہ مالکِ جادۂ رہبری ترا
دونوں جہان کا ناز ہی سجدۂ آخری ترا
تیغ گلے پہ تھی رواں شکر کیا حسینؑ نے

موت اسے بھی آگئی جیتے تھے جس کی آس پر
سجدۂ حق ادا کیا لائے جو لاشِ پسر
ضبط کی حد بھی ہو گئی پھٹ نہ گئے دل و جگر
ننھی سی لاش دفن کی تیغ سے قبر کھود کر
صبر نہ ہو سکے جہاں، شکر کیا حسینؑ نے

حسینؑ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

حسینؑ کی آخری نماز

(از جناب کیفی اعظمی)

اُف وہ تپتا دن، وہ ڈھلتی دوپہر، تونی فضا
ڈھل گئی تھی آگ کے سانچے میں ارضِ کربلا
پھونکتی پھرتی تھی بن کا بن ہوائے آتشیں!
خاک کے ذرات جھلسے تھے سلگتی تھی زمیں!
اک سمندر آگ کا زیرِ فلک تھا موج زن
مہر تھا آتش فشاں شعلے اگلتی تھی کرن
سرخ تھا موسم کا چہرہ زرد تھا روئے حیات
ہل رہے تھے آسماں تھرا رہی تھی کائنات
گرم ہو کر پگھلی جاتی تھی چٹانوں کی زرہ
کھل گئی تھی دھوپ میں جل جل کے ہستی کی گرہ
خاک اڑاتی تھی ہوا سر دھن رہی تھیں آندھیاں
گہہ زمیں تھی آسماں پر گہہ زمیں پر آسماں
آنچ میں تیغوں کی گرمایا تھا میدانِ ستیز
گھیر لی تھی موت نے ہر سمت سے راہِ گریز

جاں کنی میں زندگی تھی نظمِ ہستی میں خلل
جیسے پھرتی تھی مجسم ہو کے تخئیلِ اجل
ہر طرف اک غلغلہ اک شور اک غوغائے جنگ
برچھیاں بھالے سنانیں پیچھے نیزے خدنگ
جھومتے چنگھاڑتے، ہر سو عرب کے سورما
دیو قامت فیل پیکر صف شکن جنگ آزما
سرکشانِ روم و رے کھولے ہوئے کالے علم
خون کے پیاسے درندے تولتے تیغِ دو دم
جنگ جو فوجوں کے دل گھرتے ہوئے چھٹتے ہوئے
کشمکش میں پہلواں بڑھتے ہوئے ہٹتے ہوئے
ہر طرف بکھرے ہوئے اڈے ہوئے خونی سحاب
ایک غوغا اک تلاطم ایک ہلچل اک عذاب
طبل و دف کے شور میں فوجوں کے دل بڑھتے ہوئے
موت کے سینے پہ گرداں عرب چڑھتے ہوئے
زلزلہ افگن جوان گھوڑوں کو کڑکاتے ہوئے
قلبِ گیتی توڑتے ذرّوں کو دھڑکاتے ہوئے
اہرمنے خوشی میں اپنے بازو چومتے!
تلملاتے، بھولتے تنتے، اکڑتے، جھومتے!
مورچہ در مورچہ پہلو بہ پہلو صف بہ صف
مٹنے کافر بڑھ رہے تھے اک نمازی کی طرف

وہ نمازی وہ مجاہد جس نے ہنگامِ ستیز
روک لی تھی سجدۂ خالق کی خاطر تیغِ تیز
نورِ چشمِ مصطفےٰ۔ لختِ دلِ شیرِ الٰہ
جنگِ آزادی کا فاتح۔ حریت کا بادشاہ
حاملِ شرعِ مبیں، مجموعۂ خلقِ حسن!
ضیغمِ ضرغامِ حق۔ لشکر شکن باطل شکن!
مظہرِ انوارِ قدرت مرکزِ صد زیب و زین
نافہ ترکش۔ مظلوم۔ سیدِ بے نوا۔ یعنی حسینؑ
جس نے ان لمحوں میں خالق کا کیا سجدہ ادا
چہرہ جب سونلا گیا تھا آفتابِ زیست کا
غم سے کمر۔ بازو شکستہ قلب و سینہ چور چور
فوج کی یلغار۔ شدت پیاس کی غم کا وفور
سامنے بے جان بھتیجے بھانجے بھائی پسر
خاک پر بکھرے ہوئے رشکِ زہرا کے گہر
چھاؤں میں تیغوں کی یک سو نہر بل کھاتی ہوئی
اک طرف پیاسوں کے رونے کی صدا آتی ہوئی
سر پہ تیغِ خوں چکاں سجدہ میں تھا فرقِ نیاز
ہم ہی کیفی کیا، نہ بھولے گا خدا بھی یہ نماز

حسینی جہاد

(از جناب سید التجا حسین صاحب عابدی بی اے پنشنر تحصیلدار
سیلر امرپور ضلع گونڈہ)

پھر نہ دیکھا چشمِ عالم نے یہ سامانِ جہاد — کربلا میں تھا عجب تمثیلِ عنوانِ جہاد
لاشِ اصغر گود میں، شکرِ خدا وردِ زباں — کیوں نہ پھر دینِ خدا ہوتا ثنا خوانِ جہاد
اکبرِ مہرو بھی تھے ماہِ بنی ہاشم بھی تھے — مجمعِ انوار سے روشن تھا میدانِ جہاد
گود میں بے کس پدر کے نیم جاں بے آب و شیر — یوں علی اصغر گئے تا حدِ امکانِ جہاد
کر دیا خالی گلوں سے باغِ زہرا و علی — بھر دیا شبیر نے پھولوں سے دامانِ جہاد
یا حسین ابنِ علی، اے روحِ روانِ مصطفےٰ — نذرِ راہِ خدا، سلطانِ دیں جانِ جہاد
تشنہ لب مظلوم و اشجع۔ حاملِ تیغِ دو سر — سرفروش و سرفراز و فخرِ شاہانِ جہاد
رہنمائے عاقبت بیں۔ صابر و ثابت قدم — مردِ میداں، نورِ حق، شمعِ شبستانِ جہاد
عالمِ علمِ لدنی واقفِ اسرارِ حق — مصحفِ ناطق خداداں، شرحِ دیوانِ جہاد

حامیِ دینِ خدا، صورت گرِ ذبحِ عظیم
نورِ نفسِ مطمئن، تفسیرِ قرآنِ جہاد

حسینیت اور انسانیت

از جناب سید کلب مصطفیٰ صاحب (ایڈوکیٹ) لکھنؤ
(خلاصۂ تقریر بمقام کانپور)

اے گوہر شرافت کے قدرشناس بزرگو اور دوستو!

امام عاشقاں اور پور بتول کی یادگار کے سلسلے میں مختلف فرقوں اور طبقوں کا یہ جماؤ بہ ظاہر خاصا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ کوئی شخص کسی دوسرے فرقے کے رہنما کی یادگار میں عملی حصہ لینا تو درکنار اس کے ذکر کی طرف بھی متوجہ ہونے کے لیے تیار نظر نہیں آتا۔ لیکن یہ تعجب بے معنی ہے۔ یہ تعجب انھی کو ہوگا جنھوں نے امام حسینؑ کی بے نظیر اور فقید المثال قربانی کا گہرا مطالعہ کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں فرمائی یا پھر ایسے لوگوں کو تعجب ہو سکتا ہے جو مجتہدانہ قوت وصلاحیت فکر و نظر کے فقدان کی بنا پر یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ امام حسینؑ کے کارنامہ کا تعلق کسی مخصوص فرقہ یا طبقہ سے نہیں بلکہ ایک ایسی عالم انسانی برادری سے ہے جہاں مذہب و ملت نیز فرقوں اور طبقوں کے امتیاز کی گنجائش ہی نہیں چنانچہ اہل مذہب اور اہل جذب تو حسینی کارناموں کو سرمۂ چشم بصیرت سمجھتے ہی ہیں زعمار سیاست علمار نفسیات و اخلاقیات۔ حکمار تمدن و معاشرت غرض ہر صاحب فکر و نظر حسینی شاہکاروں کو اپنے نصب العین کا معیار آخر قرار دیتا اور حسینؑ کی پر فکر قوت عمل اور ان کے کردار کی عملی قوت سے سبق لیتا ہے۔ امام حسینؑ کی قربانیوں پر کسی مخصوص فرقہ یا طبقہ کا بلا شرکت غیرے فخر کرنا عدم تفکر اور غلط تناظر کا نتیجہ ہے۔

حسینیت کو تو ہر انسان بلا استخفاف اپنا سکتا ہے۔ البتہ اتباع حسینیت کے لیے تقلید انسانیت ضروری ہے۔ بہیمیت اور حسینیت یکجا نہیں ہو سکتیں۔ بہرحال محل استعجاب ہونے کے بجائے یہ اجتماع اس امر کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ ہر وہ فرد جس نے اہم دنیوی مسائل پر ذرا سی بھی فکر کی ہے حسینی کارناموں کو مشعل ہدایت سمجھتی اور نتیجے میں یہ قدر ظرف انسانیت کے مناسب درجے پر فائز ہوتی جاتی ہے۔

اے شیفتگان جوہر انسانیت!! حسینیت کا یہ معرکہ کوئی کل کی بات نہیں ہے اسے آج چودہ سو برس ہو چکے ہیں لیکن اس کی یاد ہنوز تازہ ہے کربلا کے میدان پر حسینؑ کے بہتر رفیقوں اور ساتھیوں سے اس معرکہ میں انسانیت کی بھرپور چھوٹ نہ ڈالی ہوتی اور ان کے ہاتھوں حسینیت کی بنیادیں سرزمین انسانیت میں گڑوں گڑی نہ گئی ہوتیں تو آج یہ واقعہ اتنا اجاگر کہاں ہوتا۔ یہ درست ہے کہ نامہربہ قدرا عدوی کی شدت۔ پیاس کے تعب اور چھوٹے چھوٹے بچوں کے علاوہ مخدرات عصمت وطہارت کی موجودگی نے اس واقعہ کو غیر معمولی طور سے مہتم بالشان بنا دیا تھا لیکن کیا دنیا میں ایسی ہی نوعیت کے پست درجہ واقعات بہ یک وقت نہ سہی مختلف اوقات میں کم شدت کے ساتھ پیش نہیں آتے اور کیا ہم ان واقعات کو باوصف ان کی وقتی اور ہنگامی اہمیت کے بھول نہیں جاتے یا بھلا نہیں دیتے دور کیوں جائیے خود آپ ہی کے گرد و پیش اہم واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن وقت ان کو بھلا دیتا ہے اور آج کے واقعات کل ہم کو خواب و خیال معلوم ہونے لگتے ہیں۔ لیکن حسینی داستان رنج والم باوصف سعی و کوشش نہ ابتک بھلائی جا سکتی نہ کبھی بھلائی جا سکے گی۔

اس پائندگی اور ابدیت کا انحصار مظالم کی انتہا۔ شدائد کی شدت اور بہیمیت کے اندھا دھند مظاہروں ہی پر نہیں بلکہ ان بلند و بالا اصولوں پر بھی ہے جن کے قیام پر انسانیت کا دارومدار ہے اور جن کے گم ہو جانے پر جانوروں اور انسانوں میں مشکل ہی سے امتیاز کیا جا سکتا ہے

واقعۂ کربلا معرکۂ خیر و شر تھا۔ آمریت و جمہوریت کی جنگ تھی۔ آزادی زبان و ضمیر اور غلامی دل و دماغ کے درمیان ایک زبردست تصادم تھا۔ مختصر یہ کہ یہ مقابلہ تھا انسانیت و بہیمیت کا۔ اور چونکہ ان قوتوں کا محاربہ بہ اختلاف شکل و نوعیت ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس لیے حسینی عملیات کی ضرورت برابر رہی ہے اور اس سے ہمیشہ سبق لیے جاتے ہیں۔

یزید کے ہاتھوں انسانیت کی اس سے زیادہ توہین اور کیا ہو سکتی تھی کہ انسانوں کے عقل و ذہن پر تالے جڑھا دیے جائیں۔ ان کی آزادی ضمیر و زبان مقید کر دی جائے اور وہ چند ٹکڑیوں کے دوزمانہ تلاف جان و مال کے خوف سے ایسے مجبور ہو جائیں کہ آزادی گفتگو تو درکنار وہ اپنے دماغ سے سوچ تک نہ سکیں۔ اس عمل پر ایک فرض شناس انسان کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ ہر طرح کے نقصان و آلام کے خیال کو پس پشت ڈال کر جاں بہ لب انسانیت کی آواز پر آواز دے۔ اور سر دھڑ کی بازی لگا کر انسانیت کی حمایت میں بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ حسینؑ نے ایسا ہی کیا۔ انھوں نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح

بھی قبول نہ کرتی وہ تہا تمکم کے لیے یزیدیت کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ
پیدا کر دیا اور ان لوگوں نے جان دینا اچھا سمجھا مگر ظالم کے ہاتھ میں
ہاتھ نہ دینا سیکھ لیا۔

یزید چاہتا تھا کہ انسانیت کے حقوق حق آزادی کو سلب
کر لے۔ انسانوں کے قول و فعل اختیاری نہیں جبری ہو جائیں یعنی
جو وہ کہے وہی سب کہیں اور جو وہ کرے وہی سب کریں۔ یہ
انسانیت کی توہین تھی۔ مگر شرافت و انسانیت جلد بند روزہ
یہ توہین کسی طرح برداشت نہ کر سکتی تھی اور انسانیت کے جس
طرح فروخت ہو جانے کو کسی طرح انگیز نہ کر سکتا تھا۔ عزیز
و اقارب پارہ پارہ ہو جائیں وفا شعار ساتھی اور جوان بیٹا آنکھوں
کے سامنے بے دم کر دیا جائے۔ مال و متاع تاراج ہو جائے اہل
و عیال مقید ہوں۔ یہ اور اس سے بھی زیادہ نقصان برداشت کر لینا
حسینؑ کے لیے آسان تھا لیکن یزیدیت پر مہر تصدیق ثبت کرنا دشوار
ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

کردار حسینی میں انسانیت کس درجہ نمایاں ہوئی تھی اس کا
خفیف سا اندازہ اُن واقعات سے بھی کیا جا سکتا ہے جو کارنامہ
حسینی میں ضمنی مرتبہ رکھتے ہیں۔

حر کا رسالہ حسینؑ کی راہ روکنے کے لیے اُن تک اس وقت
پہنچا ہے جب کہ انسان تو درکنار جانوروں کی زبانیں بھی منہ سے
باہر نکلی ہوئی ہیں۔ اس حالت میں حر کے لشکر کا مار لینا کچھ بھی دشوار
نہ تھا لیکن ایسا کرنے کے بجائے حسینؑ نے جانوروں سمیت دشمن
کے پورے لشکر کو پانی سے سیراب کر دیا۔ کیا تعجب جو حضرت حر کا
میدان کربلا میں نکلتے آزاد ہو کر یزیدیت کو چھوڑ کر حسینیت کی طرف
چلا آنا اسی مظاہرہ عمیق شرافت انسانی کا ردعمل ہو۔

کربلا پہنچ کر امام حسینؑ نے اپنے خیمے نہر کے کنارے نصب
کر دیے۔ دشمنوں کی فوجوں نے خیموں کے نہر سے اکھڑوانے پر
اصرار کیا۔ خیموں کے نہر سے ہٹا لینے میں کسی اصول کی پامالی نہ
ہوتی تھی بلکہ اگر اس مسئلہ میں جنگ ہوئی ہوتی تو شاید حسینؑ
پر اپنے آرام کے لیے کلمہ گویوں کا خون پانی کی طرح بہا دینے
کا الزام بھی عائد ہوتا۔ چنانچہ نہایت خاموشی کے ساتھ نہر
سے خیمے ہٹا لیے۔ چاہے اس کے نتیجہ میں اپنے شش ماہے
کا خون ہی پانی کی طرح کیوں نہ بہہ گیا ہو۔

انسانی قربانی کی بہترین اجتماعی مثال پیش کرنے کی غرض
سے امام حسینؑ نے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو اجازت دے دی کہ
وہ جدھر چاہیں چلے جائیں اس کے لیے رات کے سناٹے کا
وقت منتخب کیا اور یہ نفسیاتی احتیاط بھی برتی کہ خیمہ کی شمع
گل کر دی تاکہ منہ دیکھنے کی شرم بھی دامن گیر نہ ہو۔ لیکن اللہ
رے رفقائے حسینی کا عزم سرفروشی اور ذوق انسانیت کہ ایک
نے حسینؑ کا ساتھ نہ چھوڑا۔

امام حسینؑ نے انسانی خون کے مفت نہ بہنے کے لیے اپنے دشمنوں
کے متعلق بھی کم احتیاط نہیں برتی تھی کہ اپنے چلے جانے پر بھی
آمادہ ہو گئے لیکن جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو پھر انھوں نے
مردانہ وار مجاہدہ کا فیصلہ فرمایا۔

حسینؑ شہید کر دیے گئے۔ گھر بار لوٹ لیا گیا۔ خیموں میں
آگ لگا دی گئی۔ لیکن یزید نے حسینؑ کی بیعت کا جو خواب دیکھا
تھا شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حسینؑ کی اس قربانی سے
یزیدیت ختم ہو گئی اور آزادی زبان و ضمیر کے حصول کا جو
مقصد حسینؑ کے پیش نظر تھا حاصل ہو گیا۔ حسینؑ سے پہلے بہت
سے بیٹھے۔ نیزوں پہ حسینؑ اور اُن کے باوفا رفقا کا سر اور رسیوں میں اُن
کی عورتوں یا زوروں کی گرفت تو یہ اور یہی تھی لیکن کیا یہ
صرف اس لیے ہوا تھا کہ کچھ جانیں بچ جائیں۔ عورتیں اسیر نہ ہوں
یا چند خیموں میں آگ نہ لگے۔ اگر ایسا تھا تو یقیناً امام حسینؑ کو
شکست ہوئی۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ مقصد کلمۂ حق کے جاری
کر سکنے کی آزادی کا حصول تھا اور یہ حق آخر کار یزید کو بھی دینا
پڑا تھا۔ خون حسینؑ نے یزیدی لعنت سے لفظ بیعت کو حرف
غلط کی طرح دھو ڈالا۔

اس زمانہ میں جب کہ سائنس کی ترقی نے دور دراز کی آواز کا
گھر گھر پہنچنا آسان کر دیا ہے یہ کہنا مبالغہ نہیں حقیقت
ہوگا کہ حسینؑ کے آخری استغاثہ "ھل من ناصر ینصرنا" کی
آواز اب تک فضا میں گونج رہی ہے بہرحال آج سے چودہ سو
برس قبل کربلا کی سرزمین پر عصر کے ہنگام میں تو یہ آواز گونجی
تھی۔ لیکن انسانوں کے اتنے بڑے جم غفیر میں سوائے حسینؑ
کے گھر کی عورتوں کے اس آواز پر کسی ایک فرد نے بھی لبیک نہ
کہا۔ ان مخدرات نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ مقصد حیات
کے حصول میں مرد اور عورت برابر کے حصہ دار ہیں۔ اور
نوعیت عمل کا جو اختلاف بہ مقتضائے فطرت ضروری ہے
وہ حصول مقصد حیات میں سد راہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب آزادی
ضمیر و زبان کے حصول کے لیے جہاد بالسیف ختم ہوا تو جہاد
فی اللسان کی منزل شروع ہوئی اور ان مخدرات عصمت نے
دشت نینوا میں گونجی ہوئی آواز کو اتنے موثر انداز سے عوام تک
پہنچایا کہ یزیدیت کے چھکے چھوٹ گئے۔

اسیروں کا لٹا ہوا قافلہ کشاں کشاں دربار ابن زیاد میں
داخل ہوا تو طعن و تشنیع کے دفتر کھل گئے۔ ملامت و اہانت
کی انتہا نہ تھی۔ اہل بیت حسینؑ کی ذلت و اسیری پر فخر و مباہات
شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ خدا و رسولؐ پر استہزا میں بھی دریغ

نہ کیا گیا لیکن زبانوں پر آمریت کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ کسی مسلمان میں دم نہ تھا کہ وہ تکذیب رسالت پر بھی امیر کو ٹوک سکے۔ گویا تمام جوہر انسانیت ضایع ہو گیا تھا اور جذبات انسانیت مردہ ہو گئے تھے انسانیت کی اس بے چارگی کو جناب زینب صلوٰۃ اللہ علیہا برداشت نہ کر سکتی تھیں چنانچہ جب تک لُٹنے اور اپنے خاندان کی اہانت کا معاملہ رہا خاموش رہیں لیکن جب اسلام اور انسانیت کی توہین ہونے لگی تو اعلائے کلمۂ حق میں ابن زیاد کے دربار کا جاہ و جلال بھی انھیں مرعوب نہ کر سکا۔ انتہائے بلاغت کے ساتھ فرمایا کہ "ذلیل وہ ہوتا ہے جو گمراہ ہو اور وہ ہم نہیں کوئی اور ہو گا۔

حسینی قافلہ کا گزر بازار کوفہ سے ہوا۔ اہل بیت حسینؑ کے لیے یہ بڑا ہی نازک محل تھا۔ اژدہام کثیر کے علاوہ باپ کے خلافت ظاہری کے زمانہ میں اس دارالحکومت میں ان مخدرات کے قیام نے اس مرحلہ کو اور بھی سخت بنا دیا تھا۔ کسی قوی انسان کے لیے بھی اس محل پر توازن ذہن کو برقرار رکھنا آسان نہ تھا۔ لیکن یہ تمام دشواریاں جناب زینبؑ کو اعلائے کلمۂ حق سے روک نہ سکتی تھیں ید اللہ کی بیٹی نے شتربے کجاوہ کی عماری سے اپنا ہاتھ بلند کیا، سانسوں کی آمد و شد اور نقاروں کی آوازیں تک رک گئیں۔ ملکۂ انسانیت نے خاموش مجمع سے خطاب شروع کیا۔ "اب یوں روتے ہو کہ آنکھوں کے آنسو نہیں تھمتے اور آہوں کے دھوئیں نہیں رکتے۔ کچھ سمجھے بھی ہو تم نے کس کو قتل کیا ہے۔ اور کس کا خون تم نے بہایا ہے۔ تم نے بہت ہی برا کام کیا ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ ابھی احساس قطعاً مردہ نہ ہوا تھا اس لیے کہ اس تقریر کے بعد جب یہ قافلہ بحکم یزید دمشق روانہ ہوا تو اسے عام گزرگاہوں کے بجائے سنسان اور غیر معروف راستوں سے لے جایا گیا۔ یہ قافلہ دربار میں داخل ہوا تو یزید دُزد دندان رسالت سے بے ادبی کر رہا تھا اور اپنی کامیابی پر خوش و مسرور ہو رہا اور فخر و مباہات کر رہا تھا۔ جب تک یزید کی گستاخیاں ذاتیات تک محدود رہیں جناب زینبؑ اپنے زخمہائے جگر کی اس نمک پاشی پر خاموش رہیں لیکن جب وحی کو افسانہ اور بدر کے مقتولین کو مخاطب کر کے اُس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگر آج وہ لوگ ہوتے تو مجھے مرحبا کہتے اور دعا دیتے کہ یزید تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ تب زینبؑ کو یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ پُرجوش انداز میں یوں رطب اللسان ہوئیں "اے یزیدؔ! مجھے تجھ سے بات کرنا سخت گراں ہے کہ تیری قدر و منزلت میرے نزدیک بہت کم اور تیری سرزنش بہت عظیم ہے۔ لیکن کیا کروں کہ سینہ آتش غم سے ہے اور آنکھیں اشک ریز ہیں۔ جو تو اپنے بدر کے مقتولین کو پکارتا اور خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تو ذرا توقف کر تو بھی بہت جلد وہیں پہنچ جائے گا جہاں وہ ہیں اور پھر تو کہے گا کہ کاش تو نے وہ نہ کیا اور کہا ہوتا جو تو نے کیا اور کہا۔ یزید کیا تو قرآن کو بالکل ہی بھول گیا۔ خدا جو عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو یہ نہ سمجھ کہ عذاب نازل ہی نہ ہو گا اُس یقینی عذاب کو بوجہ تاخیر عذاب کم نہ جان"

جو دم گزرتا ہے قدرت کی ڈھیل اس کو سمجھ

کمال قہر و غضب کی دلیل اُس کو سمجھ

آزادی گفتگو کی یہ اور اسی قسم کی دوسری باتوں نے یزید کو ندامت و پشیمانی کی اُس منزل پر پہنچا دیا تھا جو اعتراف شکست کی منزل ہو چنانچہ اُس نے سید سجاد کو بلا کر بجائے طلب بیعت کے اُن سے کہا کہ آپ کا جی چاہے یہاں دمشق میں رہیے یا مدینہ واپس تشریف لے جائیے۔

آپ نے اپنی پھوپھی سے مشورہ کر کے جواب دینے کو کہا۔ جناب زینب نے فرمایا کہ " ابھی تو ہمیں کچھ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کہیں بیٹھ کر اپنے اعزا کو جی بھر کر رو لیں دل ٹھکانے ہو تو کچھ طے کریں" دمشق کے ایک مکان میں تقریباً ایک ہفتہ تک صف ماتم بچھی رہی اس مدت میں شاید ہی کوئی شریف گھرانا ہو جس کی عورتیں جناب زینب کے پاس پرسے کو نہ آئی ہوں۔ زینب کی زبان اور علی اکبر کی موت کا ذکر! رباب کی ولدوز آہوں میں علی اصغر کی شہادت کا تذکرہ۔ رخساروں پر طمانچوں کے نیل کی نوعیت کا حال۔ اور خود سکینہ کے منھ سے۔ بہرحال اس مختصر مدت میں انسانیت کے خشک چشمے ابل پڑے۔ شرافت کے نئے نئے سوتے پھوٹ نکلے۔ جذبات انسانی میں ہیجان اور احساسات فطرت میں تموج پیدا ہو گیا۔ جرأت اظہار میں یزیدیت کا منھ پھیرنے کا زور آ گیا مختصر یہ کہ قصر آمریت کی بنیادیں ہل گئیں۔ حسینؑ کا مقصد زینب کے ہاتھوں پورا ہو گیا۔

چنانچہ جب یزیدؔ نے سید سجاد کو پھر دربار میں بلوایا تو اُن سے مدینہ ہی واپس جانے کا تقاضا کیا۔ یہ تقاضا یزیدیت و بہیمیت کی شکست فاش اور حسینیت و انسانیت کی فتح مبین کا اعلان تھا۔

پیمبر کی نواسی

از سیدہ کرامت فاطمہ صاحبہ نزہت دامی پوری

اے عرب کی شاہزادی زینبِ عالی وقار — دخترِ خیر النسا فاطمہ کی یادگار

حق شناسی، حق پرستی تیری فطرت کا خمیر — صبر و استقلال و پامردی، بانی استوار

سر برہنہ کر دیا اعدا نے پھر بھی چپ رہی — آیۂ تطہیر کی لاریب تھی تو دُرِّ شہوار

غم اٹھائے دکھ سہے قیدی بنی در در پھری — کر دیا لیکن صداقت کی جڑوں کو پائدار

بس کھڑی تھی کمسنی تھی غمزدگی کی ضرورت تھی جوش — جنبشِ ہونٹوں کو جنبش ہر صدا تھی ذوالفقار

جبر و استبداد کی طاقت نہ دفع ہو سکی — چھا گیا اے غمزدہ کچھ ایسا تیرا اقتدار

زنجیریں تھیں تیرے تو کیا پر یزید کی طاقتیں — خاک میں ملتا نظر آتا تھا تاجِ تاجدار

چاک کر ڈالا رخِ باطل کا وہ زریں نقاب — جس سے دنیا میں تھا قائم ظالموں کا اقتدار

تھا بچایا بھائی نے انسانیت کو موت سے — کر دیا غفلت سے انساں کو ہمیشہ ہوشیار

قہر تھا جاتا اگر خونِ شہیداں رائیگاں — کر دیئے تو نے مگر اس کے مقاصد آشکار

حق و باطل کا آخری معرکہ

(از فاضل اجل مولانا مفتی سید طیب آغا صاحب موسوی خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا مفتی سید محمد علی صاحب قبلہ طاب ثراہ متعلم کربلا ئے معلّیٰ)

جب کوئی مسافر طے منازل کر رہا ہو۔ اور برابر ایک راستے پر چلا آتا ہو اس کے بعد یکایک ایک ایسے چوراہے پر پہنچ جائے جہاں پر اس کا امتیاز مشکل ہو کہ منزل مقصود تک پہنچا دینے والی راہ کونسی ہے تو وہ یقیناً گھبرا جائے گا۔ بس اسی طرح ذات سرور کائنات ان کے حین حیات تک خلائق بنی رہی لیکن ان کے بعد یہ کٹا ہوا گروہ بری طرح منتشر و پراگندہ ہو گیا۔ اسلام کے جتنے بھی فرقے ہیں وہ سب کے سب اشھد ان لا الٰہ الا اللہ سے لے کر محمد رسول اللہ تک تو ایک نقطہ پر متحد نظر آتے ہیں۔ مگر اس سے آگے افتراق کی ایسی خلیج پیدا ہو گئی ہے جس کو آج تک پاٹا نہ جا سکا۔

شمع رسالت کے گل ہوتے ہی مدینۂ رسول میں نفاق کی ایسی آندھیاں چلنے لگیں جن کے پردہ میں حق بالکل روپوش ہو گیا۔ خلافت کے پرشکوہ دربار خمس و زکوٰۃ کے کھنکتے ہوئے درہم و دینار۔ اہل دنیا کا ہجوم بیت المال کا کھلا دروازہ رشوتوں کی گرم بازاری بھلا یہ چیزیں ایسی کب تھیں کہ نگاہ خلق ایک لحظہ کے لیئے ان سے ہٹ کر خانۂ سیدہ کے بوسیدہ دروازہ پر بھی پڑتی۔ خصوصاً جب کہ وہ بھی دست ستم کا نشانہ بننے سے محفوظ نہ رہ سکے۔ بلکہ اس کو بھی نذر آتش کر دیا جائے۔

یہ تھا پہلا دور۔ دوسرا دور یونہی غفلت کے عالم میں گذر گیا۔ اکا دکا لشکر باطل میں سے کوئی ٹوٹ کر آ گیا ورنہ علیؑ کو ہر گوشہ سے پہچاننا پہچانا تو مال دنیا کی خاطر غض بصر سے کام لیا۔ اب یہ ہوتا ہے کہ ظاہری معاملات میں مسائل تو غلط سلط خود ہی طے کر لیے جاتے ہیں اور اگر اتفاق سے کوئی مشکل مرحلہ درپیش ہو جاتا ہے تو وہی پکارا جاتا ہے جو مشکلکشائے دو جہان ہے اور علیؑ سا کریم النفس اور عالی ہمت انسان بجائے پہلو تہی کرنے کے اپنے ناخن تدبیر کی اونیٰ سی جنبش سے الجھی ہوئی گتھی کو ہنس کر سلجھا دیا کرتا ہے چشم بینا رکھنے والے انسان دیکھتے رہے اور سمجھنے کی کوشش کرتے رہے رفتہ رفتہ آنکھوں پر سے غفلت کے حجاب دور ہو گئے۔ حق پوش سیاست کے سربستہ راز فاش ہونے لگے۔ یہاں تک کہ خلیفۂ ثالث اس بیداری کے نتیجہ میں جب دنیا سے رخصت کر دیے گئے تب دنیا علیؑ کے دروازہ پر آ کر جمع ہو گئی اور خلافت ظاہری کا قلادہ باوجود انکار کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ وفات رسولؐ کے بعد یہ پہلا موقع تھا جبکہ باطل کی بدلیاں چھٹ گئیں، اور آفتاب حقیقت ضیا بار نظر آنے لگا

مگر ابھی اس کی تجلی سے سارا عالم منور بھی نہ ہوا تھا کہ شام کی جانب سے باطل کی ایسی گھنگھور گھٹا اٹھی جس نے پوری دنیا کو تیرہ و تار کر دیا۔ اور اس کے بعد تو حالت کچھ ایسی دگرگوں ہوئی کہ حجاب پر حجاب پڑتے گئے۔ ام المسلمین کا مقابلہ پر آنا۔ خوارج کا پیدا ہونا مسئلہ تحکیم بہر حال کچھ تاریکی دور بھی ہوئی تھی وہ اس سے زائد ظلمت کی صورت میں مبدل ہو گئی اور عالم پر پھر ویسا ہی اندھیرا چھا گیا جس میں تلاش حق کرنا جوئے شیر لانا تھا۔ یہاں تک کہ اسی تاریکی کے پردہ میں وہ شمع ایمان کہ سلمان و مقداد جس کے پروانے تھے گل کر دی گئی جس کے نتیجے میں امام حسین علیہ السلام کو وہ حیثیت بھی حاصل نہ ہو سکی۔ جو ان کے والد بزرگوار کو حاصل تھی، اور پیرامن شیخ نے حالات میں اور الجھن پیدا کر دی۔ اور اس کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔ کہ وہ کون سی پیش بینی تھی جس کو دیکھ کر امام نے جنگ پر اس صلح مصلحت آمیز کو ترجیح دی اور وہ کونسا خطرہ تھا جو امام حسنؑ سے کھلم کھلا مخالفت کرنے میں امیر شام کو نظر آ رہا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ایک سلسلہ واقعات کا رسول کے فوراً بعد شروع ہوا جس کے ذیل میں معاویہ اور یزید نظر آتے ہیں۔

دوسرا سلسلہ وہ ہے جس کی ابتدا علیؑ ابن ابیطالبؑ سے ہوتی ہے اور انتہا امام آخر الزمانؑ پر رسولؐ کی وفات کے بعد سے جو یہ دو راہہ شروع ہوا ہے۔ تو اب تک بجنسہ چلا آ رہا ہے۔ اور دونوں کی پیروی کرنے والے عالم میں پائے جاتے ہیں۔ تیرہ سو برس سے علمار زمانہ کی تحریری و دماغی کاوشیں اسی مسئلہ کے سلجھانے میں صرف ہو رہی ہیں کہ ان دونوں رستوں میں سے کون سا رستہ حق ہے۔ نہ معلوم کتنے رسالے کتنی کتابیں السنہ مختلفہ میں اب تک لکھ ڈالی گئیں حالانکہ مظلوم کربلا کی شہادت کے آئینہ میں اگر اس معاملہ کو دیکھا جائے تو حق روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر حسین علیہ السلام کو حق پر اور یزید کو باطل پر مانا جائے تو وہ رستہ قابل تقلید ہوگا جس پر حسین علیہ السلام گامزن ہیں۔ امام حسینؑ نے کربلا میں یہی قصد کر کے قدم رکھا تھا کہ آج برسوں کی لڑائی کا دو ٹوک فیصلہ کر دوں گا اور ان تمام پردوں کو چاک کر ڈالوں گا۔ جو اب تک یکے بعد دیگرے حق پر پڑتے چلے آ رہے ہیں۔

لیکن یہ جنگ اسی وقت فیصلہ کن ثابت ہوگی جبکہ اس کو صرف حسینؑ اور یزید کی جنگ نہ قرار دیا جائے بلکہ اس کو حسینؑ والوں کی آخری لڑائی تصور کیا جائے۔ کیونکہ حسینؑ کربلا میں تن تنہا نہیں آئے تھے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ ان کے ہمراہ اگر ایک طرف شبیہ پیغمبر حضرت رسول کی طرف سے شریک کار تھے تو دوسری طرف عباسؑ ابن علیؑ کو امیر المومنین نے اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا تھا۔ امام حسنؑ نے اپنی جان و روح قاسمؑ کو

انہیں جب مقرر فرمایا تھا۔ اور اگر گذشتہ جھگڑوں میں حقوق سیدہ کا لحاظ کیا جائے تو ثانی زہرا جناب زینب کبریٰ ان کی نیابت فرما رہی تھیں اسی طرح یزید بھی اکیلا مقابل نہ تھا۔ بلکہ وہ سب کا نمائندہ بن کر امام حسینؑ کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے خیال کا یہ شعر مظہر ہے ؎

لیت اشیاخی ببدر شھدوا الخ

کاش کہ جنگ احد و بدر وغیرہ میں میرے جو بزرگ تھے وہ آج موجود ہوتے تو خوش ہوتے۔ اب اگر حسینؑ کامران ہوں تو یہ کامرانی صرف ان کی نہ ہو گی بلکہ اس میں وہ پورا سلسلہ شریک ہوگا کہ جس کی وہ امام حسینؑ ایک مستحکم کڑی تھے۔ اور اسی طرح یزید کی شکست بھی درحقیقت اس کے بزرگوں کی طرف منسوب ہو گی۔ اور معلوم ہو جائے گا کہ وہ تمام اسی طرح حق سے دور تھے جس طرح ان کا جانشین یزید۔

اب ذرا حسینؑ کے طریقۂ جنگ کو بھی نظر میں لانا چاہیے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ ادھر ہر طرح کی تکمیل تیاری تھی۔ کثرت سپاہ بھی تھی۔ سیری و سیرابی بھی تھی۔ میری و سیرابی تھی۔ ہتھیاروں کی فراوانی بھی تھی اور ادھر کچھ بھی نہیں ایک عالم بے سروسامانی تھی! ایک ایسا پرشکوہ سامان تھا جس کے آگے پوری دنیا کی طاقت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر حسینؑ بھی تیاری کا جواب تیاری سے دیتے (جیسا کہ کر سکتے تھے) تو یزید شکست ظاہری بھی کھا جاتا۔ مگر حق کا چہرہ یوں نہ صاف ہوتا، جس طرح خون حسینؑ سے دھل جانے کے بعد صاف ہو گیا، اگر برابر کی ٹکر ہوتی جس میں ایک غالب ہوتا اور دوسرا مغلوب تو ایک نئی صفین ہو کر رہ جاتی کربلا نہ بنتی اسی لیے حسینؑ نے کہا کہ میں ایک ایسا طریقۂ جنگ اختیار کروں گا جو میرے حسن تدبر کا نشانہ بھر سے کلمہ پڑھوائے گا۔ اگر ادھر بے شمار فوج ہو گی تو ادھر انگلیوں پر گن لینے کے قابل چند افراد ہوں گے۔ ادھر پہلوانوں کا مقابلہ کمر خمیدہ بڈھوں اور دودھ پیتے بچوں سے کروں گا۔ اگر اس طرف سب سیراب ہوں گے تو میرے خیمہ سے العطش کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔ اور جب قتل ہو جاؤں گا تو دشمن یہ سمجھے گا کہ ریاض رسول کو پامال کر دیا۔ گلشن نبی میں خزاں آ گئی مگر فی الحقیقت کربلا کی ریتی پر اپنے اور اپنے جگر گوشوں کے لہو سے ایک ایسا لالہ زار بنا دوں گا جو کبھی خزاں کا منہ نہ دیکھے گا۔ اور میری بہن زینبؑ نسیم جانفزا کی طرح اس گلزار شہادت کی خوشبو سے عالم کے دماغ کو معطر کر دے گی۔ اگر ایک طرف نمائش فتح کی خوشی میں شادیانوں کی آوازیں ہوں گی تو دوسری طرف کوفہ و شام کے بازاروں میں یزید کی بیٹیوں کے دردناک نوحے ہوں گے جن کا ایک ایک لفظ زمانے کے لیے جگر پاش ہو گا۔ شادیانوں کی آوازیں ان نوحوں میں گم ہو کر رہ جائے گی کیونکہ پھر پورا عالم ان بے کس نوحہ خوانوں میں گم ہو کر رہ جائے گا تب یہ عقدہ کھلے گا۔ کہ فتح کس کی ہوئی اور شکست کس کی۔ حق پہ کون تھا اور باطل پہ کون؟ نیزۂ خولی پر سر حسینؑ سر بلند ہو کر سوال کرے گا۔ کہ بتاؤ! آج کون سرفراز ہے؟ اور گوشہ مکان میں یزید عالم پشیمانی میں "ناک رگڑتا ہوا نظر آئے گا" اور کہے گا مالی للحسین۔

اب تو معلوم ہوا کہ جس طرح حسینؑ حق پر تھے اسی طرح وہ پاک ہستیاں بھی حق پر تھیں جو ان سے قبل گزر چکیں، اور وہ ہادی بھی برحق ہیں جو حسینؑ علیہ السلام سے آئندہ آنے والے ہیں، اور جس طرح یزید باطل پر تھا یونہی وہ افراد بھی باطل پر تھے جو اس سے پہلے گزر چکے یا آئندہ اس کے منصب ناحق کے جاگیردار ہوں گے۔ اور اس طرح جو فیصلہ ابوسفیان و رسولؐ کی لڑائی میں نہ ہوا تھا صفین و جمل میں ظاہر نہ ہوا۔ وہ کربلا کے میدان میں حسینؑ علیہ السلام نے کر دیا۔ اور ہمیشہ کے لیے باطل پرستوں اور حق پر فدا ہو جانے والوں کے درمیان ایک مستحکم فصیل قائم کر گئے۔ گویا ائمۃ یھدون الی النار و ائمۃ یھدون الی الجنۃ۔ کی اپنے عمل سے تفسیر کر دی۔

یہ تھے وہ راستے جن میں سے ایک پر حسینی خون کی لکھی ہوئی تحریر ہدایت اب تک موجود ہے۔

فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا۔

تاثیر شہادت

جناب سید معجز حسین صاحب معجز سنبھلی

صدا دیتے ہیں اب تک کربلا کی خاک کے ذرے
خدا والو نہ گھبرانا کبھی باطل کی کثرت سے

نبی کا جان و دل اور بیعت فاسق معاذ اللہ
یہ ممکن ہی نہ تھا پروردۂ آغوش رحمت سے

[illegible] معجز کا تبسم کر تیر کھانا ہی بتاتا ہے
کہ یہ معصوم بھی واقف تھا نشانۂ شہادت سے

فلک سے خون برسا روز عاشورا، زمیں روئی
فضائے دو جہاں لے چلیں عزا شہ کی شہادت سے

دعائے خیر ؎

از محترمہ سیدہ کرامت فاطمہ فرحت صاحبہ رامپوری

ترے قربان اے انسانیت کے محسن اعظم
حیات تازہ بخشے قوم کو اے کاش تیرا غم

خدا توفیق دے نقش قدم پر تیرے چلنے کی
عطا ہمت ہو اہل قوم کو گر کر سنبھلنے کی

شہادتِ عظمیٰ اور تبلیغ دین

(از قلم حقیقت رقم سید الفقہا مولانا مفتی سید احمد علی صاحب قبلہ دام ظلہ)

بغیر مادی یا روحانی زحمت برداشت کیے ہوئے کائنات عالم کے بیشمار فوائد سے کوئی شخص بہرہ مند نہیں ہو سکتا جب تک بحر میں غوطہ زنی کی تکلیف نہ گوارا کی جائے گہر ہائے آبدار سے تاج سلاطین کی تزئین نہیں ہو سکتی۔ معاون سے معادنیات کے استخراج کی زحمت اٹھائے بغیر کہاں فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ غلہ کی کاشت میں جب تک عرق ریزی نہ ہو شکم پری نہیں ہو سکتی۔ پھولدار درختوں کی پرورش کیے بغیر مشام انسانی خوشبو کی مہک سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ہوائی جہاز، ریل، ٹیلیفون وغیرہ ان چیزوں کے بنانے میں جو برسوں غور و فکر سے کام لیا گیا ہے اس کے بعد یہ فوائد حاصل ہوئے ہیں اس سے انکار کرنے کا کس میں دم ہے۔ اسی طرح کروڑوں مثالیں ہیں جن کے چند نمونے بھی پیش کرنے کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔

بہرحال دنیاوی زندگانی فانی کا ہر شعبہ بغیر فکری یا مادی زحمت برداشت کیے ہوئے انسان کو اس کے مقصود تک پہونچنے نہیں دیتا۔ تو پھر ظاہری موت کے بعد اخروی جاودانی زندگی بغیر دنیا میں فکری اور عملی تکلیف برداشت کیے ہوئے کب استوار ہو سکتی ہے۔

شہادتِ عظمیٰ کے فوائد پر یوں تو مختلف طریقوں سے روشنی ڈالی جا سکتی ہے لیکن ایک چیز غور کرنے کے بعد ہر عالم و جاہل سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب بڑی بڑی مضبوط دلیلوں سے اسلام کی حقانیت زبان وحی اور پیغمبر اسلام کی انتھک کوششوں سے ثابت ہو چکی تھی تو اب اظہار حقانیت اسلام واضح کرنے کے لیے اس شہادت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تھی لیکن وہ جاہل طبقہ جس کی سمجھ میں چھوٹی سی چھوٹی بات بھی نہیں آ سکتی اس کو انہی براہین سے کیونکر خدا کا وجود اور پیغمبر کی حقانیت سمجھا جائے۔

اے شہید راہ خدا! بعد ختم رسالت یہ تیرا ہی کام تھا کہ اپنے نانا کی امت کے ناسمجھ بچوں اور ناقص العقل عورتوں اور بے خبر مردوں کے لئے تو اس طرح شمع ہدایت بنے جس طرح بڑے بڑے فلاسفر عقلا و حکما کی چشم بینا کے لیے سرمۂ معرفت۔

جب یکم محرم سے زمانہ آخر عزا ایک ہر اقلیم و ہر ملک ہر شہر اور ہر قصبہ میں ایک فریاد و غم کا طوفان خیز منظر پیش آتا ہے تو فطرتاً دیکھنے والا اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور غور کرنے لگتا ہے کہ

یہ کون تھا اور اس نے کیا کیا؟

کہ جس کی داستانِ غم سننے اور سنانے کے لیے عالم میں ایک انقلاب عظیم نظر آرہا ہے۔ نہ عقلی دلائل ہیں نہ مادی حربے۔ صرف آنسو کے دریا ہیں جو امڈتے چلے آتے ہیں جن سے بڑے بڑے سخت دل مسخر ہوتے ہیں۔ اور اس مظلوم کی طرف بے ساختہ کھنچ جاتے ہیں ۔۔ یہ آنسو نہیں ہیں۔ بلکہ قوی لشکر جو حکومت دل کو فتح کرتے چلے جاتے ہیں ..... جب ذاکر امام مظلوم کی عدیم المثال مظلومیت کو بیان کرتا ہے اور ظالم کے وحشیانہ مظالم کا تذکرہ کرتا ہے۔ فوج مخالف کی انتہائی قوت، دولت، حکومت سب کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اور ادھر چھوٹے چھوٹے بچے بوڑھے بوڑھے ضعیف دل مخدرات عصمت دکھائے جاتے ہیں..

ان کے مظالم جن کی کوئی انتہا نہیں۔ تین دن پانی کا بند کر دینا۔ بچوں کا بے آب و غذا تڑپنا اور سامنے دریا کا موجیں مارنا اور ان بیکسوں کا پانی کے لیے جاں بلب ہونا اور طلب آب پر بچہ کا ہاتھوں پر تیر کھا کر شہید ہونا اور پھر صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا۔ اور احکام اسلام کی اس ہنگامہ خیز عالم میں سختی سے پابندی کرتے رہنا ۔ ان تمام باتوں سے فطرتاً یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس شہید راہ دین و ایمان آغوش رسالت میں پرورش پانے والے کو اپنی اور اپنے نانا کے لائے ہوئے دین کی حقانیت کا ایسا یقین و اطمینان تھا کہ سب تکالیف گوارا کیے اور یزید کی بیعت نہ کی اگر یزیدیت کے اسلام سوز مظالم میں کچھ گنجائش ہوتی تو "تقیہ" سے کام لیا جاتا اور ان نفوس محترمہ کی عدیم المثال جانیں بچا لی جائیں۔

اور پھر قدرت کا ساتھ دینا آج اس واقعہ عظمیٰ کو ایک ہزار تین سو پانچ سال گزر گئے لیکن جب محرم آتا ہے اسی طرح معرکہ کربلا پیش نظر ہو جاتا ہے جس طرح پہلے دن وقوع پذیر ہوا تھا باوجودیکہ روز عاشورا جس طرح مظلومین کے رونے پر قدغن کیا گیا تھا کہ جب کسی مظلوم و ستم دیدہ آنکھ سے آنسو نکل آتا تھا تو رونے والے کو نیزے سے اذیت دی جاتی تھی وہی سنت سیئہ دوسری صورت میں آج تک جاری ہے سلطنتوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا قبر مطہر پر ہل چلانے کی کوشش کی نہریں کاٹ کے پانی لائے کہ اس تبلیغ کو بند کر دیں جس سے حقانیت و صداقت دین و مذہب [illegible]

ساواے کو دیواروں میں چنوا یا خون سے گارے بنائے کہ جس کا نام لیا جاتا ہے وہ۔ اور اس کے نام لیوا مٹ جائیں ——— مگر کچھ نہ ہوا سہ

چراغے را کہ ایزد بر فروزد … کسے گر تف کند ریشش بسوزد

وہ خود مٹ گئے لیکن حسینی پروانے اب تک کثرت سے ہیں اور یہ افسانہ غم آج بھی ہر جگہ دہرایا جاتا ہے۔ وہ یزیدی گروہ جس کا وہ قہار سلطنت آج عالم سے ناپید، اور ان بہتر مسافروں کی حکومت لازوال پر کار فرما۔ گویا کثرت قلت سے بدل گئی اور قلت کثرت سے جو بہتر تھے وہ کروروں ہو گئے اور جو چھ لاکھ تھے ان کا نام ونشان نہ رہا۔ نہ آج کوئی یزید کا نام لیوا ہے نہ اس کا قصیدہ خواں۔ اگر کچھ ہیں بھی تو وہ سامنے آکے منہ دکھانے کے قابل نہیں۔

کیا یہ انسانی قوت تھی جس نے اس یادگار کو قائم رکھا؟

حضرت آدم سے لے کے اس وقت تک لاکھوں عظیم حادثے ہو چکے ہیں مگر کسی کا نام ونشان سوائے اوراق تاریخ کے اور کہیں نہیں ملتا … یہ صرف افسانہ غم سید الشہداء ہے کہ جو باوجود موانع کے بلا تفریق مذہب وملت ہمیشہ تازہ رہتا ہے۔

یہی وہی چیز ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یزیدی خلافت جہاں سے یہ آئی تھی اور جہاں سے اس کا سلسلہ جاری رہا اس میں حقانیت نہ تھی ——— اور اصلی اسلام وہی تھا جو امام حسین علیہ السلام اور ان کے جانشینوں نے پیش کیا۔

کاروانِ ماتم

از شاعر اہل بیت جناب نجم آفندی اکبرآبادی مدظلہ

(زیر طبع "بیاضِ کاروانِ ماتم" کا ایک نوحہ)

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

ذوق کی کمی سہی نقص رہبری سہی صرف ماتمی سہی ہے براہِ راستی وہ حسینؑ اب کہاں نازشِ عرب کہاں شیر تشنہ لب کہاں اُس پہ چل گئی چھری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں — راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

وقت شور و شین ہے ہر قدم پہ بین ہے لب پہ یا حسینؑ ہے نام ہے یہ زندگی دُکھ اُٹھا کے سو گیا سر کٹا کے سو گیا مسکرا کے سو گیا راہِ حق میں جان دی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں — راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

تھم گیا ہے بارہا پھر بڑھا ہے بارہا لُٹ چکا ہے بارہا پھر ہے کارواں وہی وہ سفر ہی اور تھا دشت و در ہی اور تھا راہبر ہی اور تھا اب کہاں وہ رہبری

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں — راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

کل کچھ اور شان تھی زندگی تھی جان تھی قوم سب جوان تھی جوش میں تھیں ہاشمی اکبرؑ حسین نہیں قاسمؑ حزیں نہیں وہ فضا کہیں نہیں وہ قضا نے لوٹ لی

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں — راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

جب حسینؑ ساتھ تھے دل کے چین ساتھ تھے مشرقین ساتھ تھے کربلا کی راہ تھی خوں بہا گلے کٹے گھر لُٹا گلے کٹے ہائے کیا گلے کٹے حیدریؑ و فاطمیؑ

راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں — راہ پر ہے آج بھی زندہ باد کارواں

بادۂ زندگی

از مفکرِ یگانہ مولانا اختر علی صاحب تلہری مدظلہ (شاہجہاں پور)

(پہلا جرعہ)

درد و الم ہیں زینتِ عنوانِ زندگی
عیش و طرب میں ڈھونڈھ نہ سامانِ زندگی

سر رکھ دے آستانۂ سوز و گداز پر
تجھ کو اگر ہے خواہشِ فیضانِ زندگی

خلوت کدے میں مستِ مئے عشرت و سرور
اوجھل تری نگہ سے ہے پایانِ زندگی

اے بے خبر نہ ہنس مری چشمِ پُر آب پر
ہر اشک میں بہارِ گلستانِ زندگی

او محوِ نائے و نوش نظر کو بلند کر
دیکھی نہیں ہے تو نے ابھی شانِ زندگی

ہر حادثہ سے دہر کے جب تو لرز اٹھے
کیونکر کہوں کہ ہے تجھے عرفانِ زندگی

ہنگامہ ہائے موت سے میری بلا ڈرے
پیشِ نظر ہے وسعتِ دامانِ زندگی

دیکھے ہوئے ہوں جوشِ وفا کی وہ سطوتیں
موجود میرے دل میں ہے طوفانِ زندگی

خونیں کفن شہید ترے ہاتھ چوم لوں
تو نے بلند کر دیا ایوانِ زندگی

تاریکیِ خیال و نظر کو مٹا دیا
اب جگمگا رہا ہے شبستانِ زندگی

تیری نگاہِ لطف نے پھولوں سے بھر دیا
الجھا ہوا تھا کانٹوں میں دامانِ زندگی

جب سے کہ تو نے کی ہے چمن بندیِ وفا
کیا کیا مہک رہا ہے گلستانِ زندگی

شاداب ہے لہو سے ترے عشق کا چمن
اے کربلا کی جان تو ہے جانِ زندگی

اے خاک و خوں میں لوٹنے والے ترے نثار
تو نے ہمیں بتا دیے ارکانِ زندگی

جانبازیوں کی راہ میں روشن کیے چراغ
تو نے ہمیں بنا دیا شایانِ زندگی

تیرے کرم سے اب ہے وہ ضَو ریز و ضَو فگن
زیرِ نقاب تھا رخِ تابانِ زندگی

ہے تیرے دم سے دہر میں یہ تابشِ حیات
یثرب کے چاند مہرِ درخشانِ زندگی

ہر گل ہے تیرے فیض سے دامانِ کائنات
اے روحِ نکہتِ چمنستانِ زندگی

دنیائے غم کو تو نے ضیا بار کر دیا
زہرا کے لعل، یوسفِ کنعانِ زندگی

تو نے حیات کا ہمیں بخشا نیا نظام
حیدر کی جان اے شہِ مردانِ زندگی

دوسرا جرعہ

پھر مشکبو ہے گیسوئے لیلائے زندگی
پھر جلوہ ریز ہے رخِ سلمائے زندگی

پھر عندلیبِ فکر ہے نغمہ زنِ حیات
پھر دامنِ نظر میں ہیں گلہائے زندگی

پھر نبضِ [illegible] روح کی دوڑنے لگی
معجز نواز پھر ہے مسیحائے زندگی

اوہامِ باطلہ کی شبِ تار مٹ چلی
ضو ریز پھر ہے مہرِ تجلائے زندگی

گلگوں لباس وفا ہے نگاہ میں
بے قدر اب ہیں اطلس و دیبائے زندگی

پھر ڈھونڈتا ہوں خونِ شہیداں کی تابشیں
پھر دل میں ہے بھرا ہوا سودائے زندگی

شبیر پھر ہے ذات تری مرکزِ خیال
پھر دل ہے محوِ مقصدِ اعلائے زندگی

اپنی گرہ کشائی دانش سے اے حسینؑ
سلجھا دیا ہے تو نے معمائے زندگی

تو نے بھرا ہے رنگ نیا باغِ دہر میں
زہرا کے پھول اے چمن آرائے زندگی

اے سرفروشِ راہِ خدا تیرے خون کو
ہے رشکِ صد ارم رخِ زیبائے زندگی

نغموں سے تیرے دہر ہے اک جوشِ مستقل
اے عندلیبِ زمزمہ پیرائے زندگی

تو نے اسے شباب نیا دے دیا حسینؑ
نکھرا ہوا ہے رنگِ زلیخائے زندگی

ہے عزم تیرا مایۂ تزئینِ کائنات
شبیر تو ہے انجمن آرائے زندگی

جب تو ہی خضرِ راہ تو پھر کیا خطر مجھے
گر ہولناک ہے تو ہو صحرائے زندگی

تو نے ہٹا دیے ہیں جو کانٹے تھے راہ کے
اب برق وش ہوں بادیہ پیمائے زندگی

ٹھکرائے بیٹھا ہوں میں دو عالم کی عشرتیں
تو نے دیے وہ ساغر و مینائے زندگی

سیکھے ہیں میں نے تجھ سے وفا کے طریق و طور
اب زیب دیتا ہے مجھے دعوائے زندگی

اب میں ہوں اور کعبۂ تسلیم کا طواف
تو نے مجھے بتا دیا منشائے زندگی

خورشید در کنار ہوں تیرے کرم سے میں
میرے یہاں نہیں شبِ یلدائے زندگی

نورِ دل و دماغ ہے مہرِ سپہرِ رسول
اختر ہے رو ضیا مری دنیائے زندگی

عزائے حسینؑ تاریخ کی روشنی میں ــــ پہلا دور

نوشتۂ جناب سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ دام ظلہٗ

"عزا" کے معنی لغت عرب میں صبر کے ہیں اور تعزیت کے معنی
یں صبر دلانا اور اسی بنا پر پرسا دینے یا تسلی اور دلاسے کے الفا
رف کرنے کو تعزیت کہا جاتا ہے۔

مگر اصطلاحی طور پر جس طرح اکثر چیزوں کے معنی اصل کی
ناصیت سے کسی خاص مفہوم میں محدود ہو جاتے ہیں اسی طور پر "عزاداری"
ا لفظ مخصوص ہو گئی ہے اُن مظاہرات غم کے ساتھ جو حضرت امام
سین کی یاد میں قائم کیے جاتے ہیں۔

"عزاداری" کی لفظ "تعزیہ داری" سے عام ہے۔ تعزیہ تو
مخصوص ایک چیز ہے ان مظاہرات غم میں ہے لیکن عزاداری میں مجلس
اتم اور جس طرح سے اظہار غم ہو وہ سب داخل ہے۔

دنیا میں قاعدہ یہ ہے کہ جو فریق فاتح ہوتا ہے وہ اپنی
جنگ اور اُس کے نتیجہ کا بڑے پیمانہ پر اعلان کرتا ہے اور مختلف
صورتوں سے اُس کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ واقعۂ کربلا کے بعد ایک
عرصہ تک ایسا ہی ہوا اور جو ظاہری طور سے فاتح تھا یعنی یزید اور
اُس کے ہوا خواہ۔ اُنھوں نے بخیال خود اپنے فتح کے اعلان کی کوششیں
کیں اور اُس کے اظہار کی مختلف صورتیں اختیار کیں مگر تھوڑے عرصہ
کے بعد نتیجہ برعکس ہو گیا۔ اب جو اعلان کر رہا تھا اُس کی طرف سے
کوشش اخفا کی ہو گئی اور دوسرا فریق جو اُن کے خیال کے مطابق مغلوب
تھا۔ اُس کی طرف سے مختلف صورتیں اعلان اور اشاعت کی اختیار
کی گئیں اور پھر یہ سلسلہ اس وقت تک جاری ہے۔ یہ لوگ برابر اشاعت
کی کوشش کرتے رہے اور اس کے خلاف اکثر اوقات ایسی کوشش
ہوتی رہی کہ اس اشاعت کو صدمہ پہنچایا جائے اور اس اعلان و اظہار
کو روکا جائے۔

جہاں تک غور کیا جاتا ہے خود امام حسینؑ نے جو صورتیں اختیار
فرمائیں وہ پہلے ہی سے اپنے مقصد اور اپنے نتیجہ کی اشاعت کی
ذمہ دار تھیں۔ آپ کی مدینہ سے مکہ کی طرف اور پھر مکہ سے ہجرت اور
... اور پھر عراق کی طرف تشریف لانا اور اہل حرم

کا ساتھ لانا۔ یہ تمام چیزیں ایسی تھیں جن کے ذریعہ سے گویا امام حسینؑ
نے خود اس سلسلۂ اعلان و اظہار کو جاری کر دیا تھا جو اب تک جاری
ہے۔ یہ علم اگر آج ہم اٹھاتے ہیں تو حضرت امام حسینؑ نے خود ایسا
موقع دیا تھا کہ نیزوں پر سروں کے بلند کرنے سے اُن کی مظلومی کا علم
خود دشمنوں کے ہاتھوں اٹھے۔

دشمن جس کو سمجھ رہے تھے اپنی فتح وہ امام حسینؑ کے مقصد کی اشاعت
تھی اور اس کے لیے خود امام حسینؑ نے سامان کیا تھا اور اس کے لیے
اسباب فراہم کیے تھے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک معمولی انسان جو کوئی کام انجام دے
ایسا کہ اُس کا نام زبانوں پر آنے لگے اور لوگ اُس کو پہچاننے لگیں تو
اُس کے خلاف مختلف صورتوں سے غلط بیانات اور الزامات کی اشاعت
ہوتی ہے۔ یہ معمولی انسانوں کے لیے ہوتا ہے جن کے ہاتھوں کسی کے تخت
و تاج کو خطرہ نہیں، کسی کے کسی بڑے مقصد کو نقصان نہیں پہنچتا چہ
جائیکہ امام حسینؑ جو سلطنت بنی امیہ کے تخت کو، کچھ خاص افراد کے
تخت سلطنت کو نہیں بلکہ اُس پوری نسل، پوری قوم بلکہ اُس پورے
نظریہ کے تحت سلطنت کو الٹنے کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور محسوس ہو
رہا تھا کہ آپ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے
کہ حکومت وقت کی مشینری کتنی تیزی کے ساتھ متحرک ہونا چاہیے تھی
اُن کے خلاف مختلف غلط باتیں عائد کرنے کے لیے جو آپ کے مقصد کی
پامالی کا باعث ہوں مگر حضرت امام حسینؑ نے اپنے زمانہ حیات سے اپنے
مقصد کی اشاعت کو اتنا مکمل کر دیا تھا اور واقعۂ کربلا میں خود ایسے اسباب
اپنے ساتھ فراہم کر دیے تھے جن کی وجہ سے دشمن کی زبان بند ہو گئی اور
کچھ بن ہی نہ پڑا کہ کیا بہانہ کیا جائے جو امام حسینؑ کے قتل کا جواز پیدا
کرے۔ کوئی بہتان دشمنوں سے ممکن ہی نہ ہوا کہ وہ امام حسینؑ کی طرف
منسوب کر سکیں۔ حالانکہ جناب رسالتمآبؐ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے
خود فرمایا کثرت علیّ القالۃ فمن کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعدہ
من النار (یعنی، میری طرف غلط اقوال کی نسبت دینے والے بہت

ہو سکتے ہیں تو جو شخص میری طرف کسی جھوٹ کی نسبت دے گا وہ اپنی جگہ آتش جہنم میں سمجھ لے ۔ دوسرے معصومین کو بھی اسی طرح کے بہت سے امور سے سابقہ پڑا چنانچہ ابن ابی الخطاب نے اصحاب ایمہ میں داخل ہو کر بہت سی غلط چیزیں امام کی طرف منسوب کریں اور اس شخص پر حضرت کو لعنت فرمانا پڑی ۔ پھر جب ایمۂ معصومینؑ اور خود جناب رسالتمآبؐ کو اس طرح کی غلط بیانی سے سابقہ پڑا تھا تو ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ اسی سلسلہ کی ایک فرد تھے اور اتنے بڑے اہم کام کے لیے کھڑے ہوئے تھے تو بھلا دشمن کب چوک سکتا تھا کہ آپ کی طرف غلط امور کی نسبت نہ دیتا جن سے آپ کی حقانیت مشتبہ ہو جاتی ۔

ایک ذرا سی گنجائش ملی تھی اقوال کے گھوڑے دوڑانے کی اور وہ اُس وقت کہ جب آپ نے تنہائی میں عمر سعد سے گفتگو فرمائی ہے تو یہ بات بنا ڈالی کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو ۔ میں براہ راست اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں رکھ دوں گا ۔ یہ بات بنا لی گئی تھی جس کی رد عقبہ بن سمعان نے جو واقعۂ کربلا کے بعد بحیثیت چشم دید گواہ کے باقی رہ گئے تھے کی اور کہا کہ میں ہر وقت کی گفتگو کو معلوم کرتا تھا ۔ کبھی حضرت امام حسینؑ نے اپنی زبان سے یہ نہیں فرمایا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں گا ۔

بہرحال یہ تو اس سے ثابت ہو گیا کہ ایک ذرا سا موقع بھی دشمن کو ملا تو اُس نے اُس موقع سے فائدہ اٹھانا نظر انداز نہیں کیا کوئی ایسا موقع دشمن ہرگز نہیں چھوڑ سکتا تھا جس سے امام حسینؑ کے مقصد کو نقصان پہنچ جائے لیکن امام حسینؑ کی حقانیت اور آپ کا تدبر وہ تھا کہ آپ نے ایسی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھی آپ سمجھتے تھے کہ یہ فیصلہ کن جنگ ہے حق اور باطل کی ۔ اس سے پہلے اگر رسولؐ کے کسی حکم کو مشتبہ کر دیا گیا تو وہ پھر بھی جزئی حیثیت رکھتا تھا لیکن ایک ایسی فیصلہ کن جنگ حق و باطل کی جس کی مثال نہ اس سے پہلے کبھی آئی تھی اور نہ اس کے بعد آنے والی تھی ۔ یہاں اگر کوئی اس طرح کا شبہہ پیدا کر دیا جاتا تو مقصد ہی اس جہاد کا ختم ہو جاتا ۔

اس لیے حضرت امام حسینؑ نے انتہائی کوشش اس بات کی فرمائی کہ کوئی اس قسم کی صورت پیدا نہ ہونے پائے ۔ اور آپ کی مظلومی اور دشمن کا ظلم نمایاں رہے ۔

فتح کا نشہ سمجھیے یا سیاست کی غلطی کہ اس کے بعد ایک عرصہ تک دشمن بھی مقصدِ حسینؑ کا مددگار بن گیا ۔ یعنی وہ تمام مظالم کی اشاعت اور فتح کے مظاہرہ میں دشمن کے اعلانات سب امام حسینؑ کے مقصد کی تکمیل کر رہے تھے ۔ یہی نہیں بہت سے صوبے مملکت اسلامیہ کے جن کو اہلبیت سے بے خبر رکھا گیا تھا اور اس کے لیے بہت کوشش کی گئی تھی وہ اپنے ہاتھ سے باخبر کیے گئے ۔ دمشق میں اہلبیت رسولؐ سے ناواقفیت کی انتہا یہ تھی کہ ایک مرتبہ جب مسجد جامع میں وہ بدترین رسم ادا کی جا رہی تھی جس کو نماز جمعہ کے بعد خطبہ کا ایک جزو بنا لیا گیا تھا یعنی جناب امیر المومنینؑ کی شان میں کلمات نازیبا کا استعمال، تو ایک شخص نے اپنے پاس کے بیٹھنے والے نمازی سے پوچھا کہ یہ کون ابو تراب ہیں جن کے متعلق یہ الفاظ زبان پر جاری کیے جاتے ہیں ؟ اُس نے کہا مجھے نہیں معلوم یہ کون شخص ہے میرا تو خیال ہے کہ عرب کے ڈاکوؤں میں سے کوئی ہوگا ۔

یہ انتہا تھی ناواقفیت کی ۔ اسی طرح شام کے ایک شخص سے جناب فاطمہؑ کے متعلق دریافت کیا گیا تو اُس نے ایک عجیب و غریب شجرہ تبلایا ۔ باپ کو شوہر، شوہر کو باپ اور بیٹی کو زوجہ ۔ یہ تھا اس بارے میں اس کا مبلغ علم ۔ غرض کہ کبھی اُن کے سامنے حقیقت پیش ہی نہیں ہوئی ۔ بہت سے لوگوں کو یہ یقین دلا دیا گیا تھا کہ بنی امیہ وارث جائز پیغمبرؐ کے ہیں اور اُن کے سوا اُنھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ہے ۔

جن لوگوں کو یہاں تک بے خبر رکھا گیا تھا اب اُنھیں فتح کے اعلان کے واسطے خود باخبر بنایا گیا ۔ اور جو حکومت ان افراد کے نام تک پر پردہ ڈال رہی تھی اُس نے اُن کے مقدس اشخاص تک کی زیارت کرا دی ۔ وہ کٹے ہوئے سر سہی اور لٹے ہوئے قیدی سہی پھر بھی جلال و عظمت کے آثار چھپے تھوڑی رہ سکتے ہیں اور خود اپنے ہاتھوں یہ بھی تبلا دیا اور خود ہی یہ بھی دکھلا دیا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور پھر ان میں سے جو زندہ اشخاص تھے ۔ اُن کا بھی تعارف خود کرا دیا اور یہ خود ان کے لیے سب سے زیادہ خطرناک چیز ہو سکتی تھی یعنی اگر فقط سرہائے شہداء کو بھیج دیا گیا ہوتا تو لوگوں کو صرف افسوس ہو کر رہ جاتا مگر یہ کہ پیغمبرؐ کی جو یادگاریں اب تک باقی تھیں اور جن کی طرف جاذبیت قلوب کے مواقع حاصل تھے اُن کو قید و بند میں سہی، طوق و زنجیر میں سہی لیکن ناواقف دنیا کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا گیا اور ان کی فصاحت و بلاغت کے جوہر کھلنے کا موقع دیا گیا ۔ بہ خوشی نہ سہی ۔ مگر حالات ایسے پیدا کیے کہ وہ مخفی جواہر جنھیں پوشیدہ رکھا جا رہا تھا ۔ اُنھیں ایک مرتبہ دنیا کے سامنے نمایاں ہونے کا موقع مل گیا ۔ وہ چاہے جنابؑ زینب کبریٰ کا خطبہ ہو، چاہے جناب ام کلثوم کا خطبہ ہو اور چاہے امام زین العابدینؑ کا خطبہ ہو ۔ تمام اس قسم کے بیانات تھے جو دنیا کی آنکھوں سے پردہ کو ہٹا رہے تھے اور یہ ایک فطری چیز ہے کہ ایک انسان اگر کسی بات سے بے خبر رکھا گیا ہو اور ایک دم سے باخبر ہو تو اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اللہ ری مکاری ! اتنی مدت سے ہم کو ان واقعات سے ناواقف رکھا گیا اور اب ہم کو تبلایا جا رہا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے عرصہ میں حکومت وقت کو یہ احساس شروع ہو گیا کہ ہماری اس طرح کی کوشش ہمارے مقصد کے لیے تباہ کن ہے اور ہم نے جو کیا اپنی قبر

اپنے ہاتھ سے کھو دی۔ اب کوششیں شروع ہوئیں چھپانے کی اور مظالم پر پردہ ڈالنے کی۔ اظہارِ رنج و ندامت اسی پردہ داری کے لیے تھا۔ ابن مرجانہ کو برا کہنا اور اپنی ذمہ داری کو اُس کے سر کرنا اسی پردہ داری کے لیے تھا جس سے "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" آج تک ہوا خواہانِ بنی امیہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ یزید کے جو اقوال پیش کیے جاتے ہیں کہ خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر۔ میں ہوتا اُس موقع پر تو ایسا نہ کرتا۔ یہ چیزیں پیش کی جاتی ہیں کہ اُس نے اپنا گھر خالی کرا دیا اور اُس کی عورتیں گریہ و بکا میں شریک ہوئیں مگر یہ سب باتیں بعد کی ہیں جس وقت سے احساسِ شکست شروع ہوا اُسی وقت سے ان سب باتوں کی ابتدا ہوئی اور آج تک جاری ہے اس لیے کہ فتح کا تخیل تھوڑے عرصہ کے لیے تھا اور شکست کا احساس دائمی ہے یعنی صرف چند دنوں کے لیے وہ سمجھے کہ ہم جیت گئے اور اس کے بعد مستقل طور سے یہ احساس قائم ہو گیا کہ ہم ہار گئے اور ایسے ہارے کہ جس کے بعد جیتنا ممکن نہیں۔ اب صورت یہی ہو سکتی تھی کہ جو کچھ ہوا اُس کو چھپانے کی کوشش کی جائے اور جو سچے مسلمان تھے جن کو ان ظالموں سے نفرت تھی اب اُن کو کد پیدا ہو گئی کہ نہیں ہم ان مظالم کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کریں گے اور ان کی یاد کو ہمیشہ قائم رکھیں گے۔

حقیقت میں واقعۂ کربلا کی یاد قائم رکھنے کے اسباب کا فراہم کرنا ہے جس کا نام اصطلاحی طور پر "عزاداری" رکھ لیا گیا ہے۔ اس کی صورتیں مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں مختلف شکلوں میں تبدیل ہوتی رہیں اور مختلف لباس پہنتی رہیں لیکن روح اور حقیقت اور جوہر سب کا ایک تھا۔

منافقین کی طرف سے کچھ عرصہ تک یہ کوشش جاری رہی کہ اس یاد کو بھلا دیا جائے۔ جب اس میں ناکامی محسوس ہوئی تو یہ ترکیب کی گئی کہ اس یاد کے مقابلہ میں اور دوسری یادیں دلائی جائیں تاکہ یہ مل کر دوسری چیزوں کے ساتھ بے اثر بن جائے۔ یہ ہوتا رہا بہت مدت تک، جب اس میں بھی ناکامیابی ہوئی اور واقعہ کربلا کے خصوصیات امتیازی ایسے ثابت ہوئے کہ اُس کی یادگار جتنی تھی اُس سے آگے بڑھتی گئی اور اُس کے مقابلہ میں جو چیزیں قائم ہوئیں وہ وقتی ثابت ہوئیں اور پھر بعد میں فنا ہو گئیں تو اس کے بعد یہ تدبیر شروع ہوئی کہ جس چیز کو غیر فطری لباس پہنایا جائے وہ فنا ہو جائے گی اس لیے واقعۂ کربلا کی یاد قائم کی جائے مگر صورت میں تبدیلی کر دی جائے یعنی بجائے مظاہرۂ غم کے مظاہرۂ خوشی کیا جائے۔ اس کے لیے تاویلیں تراشی گئیں اور دلائل بنائے گئے۔ مثلاً کہا گیا کہ شہادت سے بڑھ کر رفیع درجہ کیا ہو گا۔ حضرت امام حسینؑ کو شہادت کا درجہ حاصل ہوا تو اس پر اظہارِ مسرت ہونا چاہیے۔ اظہارِ غم نہ ہونا چاہیے یہ کہا گیا کہ رونے والے وہ ہو جو حیاتِ شہداء کے قائل ہوں اور جب شہداء

کو زندۂ جاوید سمجھا جاتا ہے تو پھر اُن پر ماتم کی کیا ضرورت ہے۔

حقیقت میں مقصد وہی تھا کہ یاد فراموش ہو لیکن چونکہ براہِ راست اس سعی میں ناکامیابی ہو چکی تھی لہٰذا اب یہ صورت اختیار کی گئی۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ غم کا مظاہرہ اس موقع پر فطری ہے اور خوشی کا مظاہرہ غیر فطری ۔۔۔ دوسری طرف مظاہرۂ غم میں جاذبیت زیادہ ہوتی ہے۔ مظاہرۂ مسرت میں وہ کشش نہیں ہوتی اس لیے یہ کوشش کی گئی کہ غم کی جگہ خوشی لے لے چنانچہ سلطنتوں نے یہ کوشش کی کہ یومِ عاشورا کو عید منائی جائے اور مدتوں اس پر عمل کیا گیا۔ یہ چیز اپنی اصلی شکل میں کامیاب تو نہیں ہوئی مگر اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ ہندوستان کے اکثر مقامات پر جا کر دیکھیے تو آپ کو ان مظاہراتِ مسرت میں سے بہت سی چیزیں مخلوط ملیں گی ان مظاہرات غم کے ساتھ جن سے سچے مسلمان ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں عشرۂ محرم میں آتش بازی چھڑائی جاتی ہے۔ ریچھ اور شیر کی کھال اوڑھ کر مختلف سوانگ بنائے جاتے ہیں۔ بانک، پٹے کے کرتب دکھائے جاتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں جزوِ عزاداری خیال کی جاتی ہیں۔ جب میں نے غور کیا تو ان چیزوں کا کوئی تعلق مظاہرۂ غم کے ساتھ سمجھ میں نہ آیا۔

مزید غور کرنے پر اس کا سبب ظاہر ہوتا ہے کہ "الناس علیٰ دین ملوکھم" لوگ بادشاہوں کے راستے پر چلتے ہیں سلطنتیں دو قسم کی تھیں ایک وہ جنھوں نے مظاہرۂ غم کیا۔ دوسرے وہ جنھوں نے مظاہرۂ سرور کیا۔ مسلمانوں نے اصل محرکات پر غور کیے بغیر تقلیدی طور پر کچھ وہ مراسم لے لیے، کچھ یہ مراسم لے لیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غم کے مظاہرات کے ساتھ ساتھ بہت سے سرور کے مظاہرات شریک ہو گئے اور یہ سب جزوِ عزاداری قرار دے دیے گئے۔

وہ مسلمان جو امام حسینؑ کا احترام کرتے ہیں اور حضرت کے حادثہ شہادت کو واقعی قابلِ رنج و غم چیز سمجھتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو عزاداری کا صحیح مفہوم سمجھائیں اور توجہ دلائیں کہ تم جو امام حسینؑ کی عزاداری کرتے ہو تو کیوں ایسی صورتیں اختیار کرتے ہو جن سے مقصدِ عزا فوت ہو جائے۔ بہت ممکن ہے کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ سمجھایا جائے تو اس کا اثر ہو اور وہی صورتیں اختیار کی جائیں جو کسی مصیبت پر اظہارِ رنج کے لیے مناسب ہیں۔

شروع شروع میں رنج و ملال

عزاداری کا پہلا دور کے جو مظاہرے دنیا کی آنکھوں کے سامنے آئے وہ کسی خاص مقصد کو سوچنے پر موقوف نہ تھے بلکہ فطرت کی تحریک کا ایک قہری نتیجہ تھے۔ کیونکہ وہ افراد جو پسماندگانِ امام حسینؑ تھے فطری طور پر سمہ تن رنج و غم بنے ہوئے تھے اور دنیا میں کوئی انسان تصور میں نہیں آ سکتا جو اتنا رنجیدہ ہو جتنا کہ امام حسینؑ کے اہلِ حرم۔

تصور تو کیجیے کوئی وہ ماں جس کا جوان بیٹا میدان جنگ میں نیزہ کھا کر دنیا سے رخصت ہو گیا ہو۔ کوئی وہ بہن جس کا بھائی تین دن کا بھوکا اور پیاسا شہید ہو گیا ہو۔ کوئی وہ ستم رسیدہ جس کا چھ مہینہ کا بچہ نشانۂ تیر ستم ہو گیا ہو۔ کوئی وہ بیوہ جس کا شوہر شہید ہو گیا ہو۔ کون اُن افراد میں ایسا تھا جس کے دل پر ایک نہیں بلکہ کئی کئی داغ نہ ہوں اور پھر کئی داغ اگر مختلف اوقات میں ہوں تو ممکن ہے کہ ایک غم کے فراموش ہونے کے بعد دوسرا غم پیدا ہو لیکن جب کہ غم بالائے غم ہو۔ داغ بالائے داغ ہو۔ ایک بار اظہار تاثر کا موقع نہ ملا ہو کہ دوسری مصیبت آ گئی ہو۔ تو ایسی صورت میں ان افراد کی آہ و زاری اور ان کا نالۂ و شیون۔ وہ تو ایک فطری چیز ہے جس کے لیے یہ کہا ہی نہیں جا سکتا کہ اُنھوں نے اس مقصد کے لیے ایسا کیا اور پھر اگر نالہ و شیون سے روکا بھی جا رہا ہو تو کوئی شک نہیں کہ مصیبت کا احساس اور تیز ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر وہ نالہ نہ بھی کریں تب بھی اُن کی فارسی ایک مرقع فریاد ہوگی جو دوسروں کو نالہ زن کر دے۔

"افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را" اگر ایک افسردہ دل بھری محفل میں آ جائے تو وہ ہنستی ہوئی محفل کو رنجیدہ بنا دے گا چہ جائیکہ انسانی دل رکھنے والے افراد کے سامنے وہ چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہوں لیکن دشمنوں میں سے ہر ایک کا دل ایسا سخت تو نہیں ہوتا۔ مصیبت تو وہ چیز ہے کہ وہ دشمن جو ذمہ دار مظالم ہو منھ پھیر کر رونے لگتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسے افراد جو مخالف جماعت میں شامل ہوں لیکن کوئی ذاتی عداوت قلبی نہ رکھتے ہوں ان کے سامنے اتنے شکستہ دل اور تباہ حال مجسمے ہمہ تن رنج و مصیبت بنے ہوئے آ جائیں۔ اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ اہل حرم خاموش بھی تھے تو دوسروں میں کہرام برپا تھا۔ جس راستے سے اہل حرم گزر جاتے تھے وہاں تماشائی جو بام تماشا دیکھنے کے لیے آئے ہوئے تھے اُن میں ایک شور نالہ و شیون کا برپا ہو جاتا تھا۔ یہ سب کوفہ میں ہوا۔ اس کے بعد دمشق میں ملک شام کے اندر۔ انتہا یہ تھی کہ دربار یزید میں اہل حرم خاموش اور یزید کے گھر کے اندر سے رونے اور پیٹنے کی آوازیں بلند۔ یہ اثر اُن کے خاموش صبر سے دنیا والوں پر پڑ رہا تھا۔ پھر اگر ان حضرات کو کچھ اور موقع مل جاتا اور اُن کے نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہو جاتیں تو وہ کیسا بے پناہ سیلاب ہوتا رنج کا۔ چنانچہ جب یزید نے کہا کہ میں رہا کرتا ہوں کوئی خواہش ہے؟ تو جو خواہش پیش کی گئی وہ یہی تھی کہ ہم اپنے عزیزوں کو دل بھر کر رونے نہیں۔ مکان خالی کرا دو اور ہم ماتم کریں۔ یزید اب ایسا نہ کرتا تو کیا کرتا۔ کیونکہ اُس کو ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اب ان لوگوں کی دلجوئی کی جائے۔ اس لیے یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کا اثر میرے لیے کتنا برا ہوگا، پھر بھی ایسا کیا اور تاریخ گواہ ہے کہ جب اہل حرم اُس مکان میں آئے تو کوئی عورت دمشق میں ایسی نہ تھی جو تعزیت کے لیے اہل حرم کے پاس نہ آئی ہو اور متاثر و اپس نہ گئی ہو۔

یہ ہے وہ عزاداری جو پہلے پہل دشمن کے دارالسلطنت میں ہو رہی تھی اور یہاں جو آیا اہل حرم کے پاس وہ ایک مستقل اثر لے کر واپس گیا یعنی یہ صف جو بچھائی گئی تھی ظاہر میں تو تین دن یا سات دن کے بعد اُٹھا دی گئی مگر اس سے ہزاروں دلوں میں اہل حرم نے صف ماتم حسین بچھا دی جس کا بچھنے کے بعد پھر اٹھنا ممکن نہ تھا۔

جب دمشق سے قافلہ روانہ ہوا تو درمیان میں روایت بتلاتی ہے کہ یہ قافلہ کربلا بھی آیا۔ گویا زیارت کی بھی رسم قائم ہو گئی۔ ظاہر ہے کہ جس کو یہ حسرت ہو کہ ہم نے دفن نہیں کیا، اُس کو یہ دیکھنے کا کتنا شوق ہوگا کہ دفن ہو چکے یا نہیں۔ قبر کی زیارت کے لیے آئے تمام اہل حرم اور اس کے بعد تاریخ سے بتلانے کی ضرورت نہیں کہ زمین کربلا پر واحسینا واحسینا کے نعرے بلند ہوئے۔ یہ چیزیں وہ ہیں کہ بیان کرنے والا نہ بھی بیان کرے پھر بھی ہر شخص ان کا اندازہ کر سکتا ہے قریب و جوار کربلا میں جتنے بھی قبیلے بسے ہوئے تھے اور جتنی بھی جماعتیں تھیں۔ بعض تاریخیں بتلاتی ہیں کہ یہودی بھی تھے۔ کامل بہائی روایت ہے کہ قبور شہدا بنانے والے اور حضرت امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کے دفن کرنے والے بھی مسلمان نہ تھے بلکہ کچھ یہودی تھے جو قریب بسے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں کہا کہ بھائی یہ ہمارے مذہب میں نہ سہی مگر دوسرے مذہب کے تو نبی کے اہل بیت تھے اس لیے ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ہم اُن کو اس طرح چھوڑ دیں بلکہ ہم دفن ضرور کریں گے۔ بہرحال وہ جتنے بھی آس پاس کے لوگ ہوں خواہ وہ مسلم ہوں خواہ غیر مسلم، اس طرح سے اہل حرم کا تشریف لانا اور اُن کا اس طرح سے غم و ماتم برپا کرنا، اس کا سب پر ایک مستقل اثر ہوا۔ اور اس کے بعد جب یہ حضرات اس لٹے ہوئے وطن میں پہنچے جس کا نام مدینہ ہے تو آپ ہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اُن کے تاثرات کا کیا عالم ہوگا کس شان سے گئے تھے اور اب کس شان سے واپس ہوئے۔ تمام واقعۂ کربلا اس وقت تازہ تھا اور ہر وقت تازہ رہا اور جتنے افراد تھے مدینہ کے خواہ دوست ہوں یا دشمن وہ سب یکساں اثر محسوس کر رہے تھے اور پھر وہ افراد جو واقعۂ کربلا میں موجود نہ تھے لیکن شہید ہونے والوں سے کوئی نسبت رکھتے تھے، اُن کے تو غم و رنج کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی کیونکہ پھر بھی آنکھوں سے دیکھنے پر تسلی ہوتی ہے مگر — جیسے ام البنین کہ جو واقعۂ کربلا کے وقت زمین کربلا میں موجود نہیں تھیں۔ ایسا اعتماد تھا حسینؑ پر کہ پوری لیفا مت ساتھ کر دی۔ اور خود مدینہ میں رہیں لیکن اس کے بعد جب واقعات معلوم ہوئے تو عالم کیا تھا۔ عمر بھر تاریخ بتلاتی ہے کہ بس ادھر دن چڑھا اور جنت البقیع میں چلی گئیں۔ دن بھر رویا کرتیں اور آنا دلدوز مرثیہ پڑھتی تھیں کہ مروان جو ادھر سے گزرتا تو وہ بھی ٹھہر کر سنا کرتا اور رویا کرتا تھا۔ یہ مروان بڑا سخت دشمن خاندان رسالت کا ہے مگر ان نوحوں کی تاثیر

یہ تھی کہ دوست و دشمن کے دل پر برابر سے اثر ہوتا تھا۔

جیسا کہ میں نے شہدائے کربلا کے حالات کی کتاب میں لکھا ہے یہ ام البنین کا مرثیہ فقط دل دوز ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ اُس سے یہ پتہ بھی چلتا تھا کہ وہ عباس ایسے بہادر کی ماں ہیں۔ ایک مرثیہ میں اُنھوں نے کہا ہے "ہائے مجھے ام البنین" کہہ کر کیوں پکارتے ہو کیونکہ ام البنین کے معنی ہیں بیٹوں کی ماں۔ تھے میرے بیٹے ایک وقت میں مگر اب تو سب جا چکے۔

دوسرا مرثیہ جسے میں کہتا ہوں کہ اُس میں بہادرانہ شان پائی جاتی ہے اس مضمون کا ہے کہ:

"مجھے نہیں بھولتا اپنے شیر عباس کا وہ حملہ جو اُس نے دشمنوں پر کیا تھا۔ ہائے میرے شیر کو اُس وقت مارا جب ہاتھ قلم ہو چکے تھے۔ اُس وقت نہ مارا جب ہاتھ موجود تھے۔"

ایسے ہی ام ہانی وغیرہ کے نوحے۔ عزاداری کی ابتدا ایسے فطری تاثرات سے ہوئی تھی جن کا مستقل اثر پائدار اور ناقابل فراموش حیثیت رکھتا تھا۔

دوسری جانب کوفہ والوں کے تاثرات بھی اس موقع پر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ تو ایک بدقسمتی ہے کہ کوفہ والے عام طور پر غدار و بے وفا ہی مشہور ہو گئے۔ یہ الزام اس حد تک بس صحیح ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں جو فوج تھی وہ کوفہ کے رہنے والے لوگوں پر مشتمل تھی مگر اسی کوفہ میں وہ ایک بڑی جماعت تھی جو شیعیانِ کوفہ کے نام سے تعبیر کی جاسکتی ہے اور یہ لوگ کسی صورت سے واقعۂ کربلا کے سلسلہ میں مورد الزام نہیں ہو سکتے۔

اس کی تشریح میں نے "قاتلانِ حسینؑ کا مذہب" رسالہ میں بھی کی ہے اور پھر "شہید انسانیت" میں بھی اس کی پوری تشریح کی گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے کوفہ میں ابن زیاد کی سلطنت ہوئی چن چن کر ان لوگوں کو جن پر ذرا بھی ہمدردی اہل بیت کا شبہہ ہو سکتا تھا قید خانوں میں بند کر دیا گیا۔

یہی وہ کام تھا جسے نعمان بن بشیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جناب مسلم بن عقیل کے ورود کوفہ کے موقع پر وہ کوفہ کا حاکم تھا اُس نے اعلان کیا کہ میں کسی کے متعلق بدگمانی کی بنا پر کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا اور نہ بلا وجہ کسی کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنا چاہتا ہوں ہاں اگر کوئی تلوار لے کر کھڑا ہوگا اور حملہ آور ہوگا تو پھر میں بھی جنگ پر مجبور ہو جاؤں گا۔ مگر یہ پالیسی ہوا خواہانِ بنی امیہ کے لیے باعث تسکین نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ نعمان کی شکایت دربار خلافت میں ہوئی اور وہاں سے نعمان کو معزول کر کے ابن زیاد کو حاکم کوفہ مقرر کیا گیا۔ ابن زیاد کو ہدایت یزید کی یہی کر دی گئی تھی

کہ جس پر کوئی بھی شخص غداری کا الزام عائد کردے چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو اور جس کے متعلق ذرا بھی بدگمانی پیدا ہو جائے اور شبہہ ہو جائے اُس کو بھی گرفتار کر لو۔ کیا ممکن تھا کہ اس حکم کی خلاف ورزی ہوتی چنانچہ جتنے اہل بیت کے ہمدرد تھے اور کوئی نمایاں حیثیت رکھتے تھے جیل خانوں میں مقید کر دیے گئے۔ کچھ جنابِ مسلم کی امداد میں یا امداد کے ارادہ کی بنا پر قتل کیے گئے جیسے حضرت مسلم کی شہادت ہوئی ہے تو مختار کوفہ میں موجود نہ تھے۔ وہ اس کے بعد پہنچے اُس وقت جب عمرو بن حریث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو اس جھنڈے کے نیچے آجائے وہ امان میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کا رایت قتل عام کے حکم کے بعد اونچا کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پہلے ہر شخص خطرہ میں تھا اور کوئی شخص اپنی جان و مال کے لیے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ مختار کو معلوم تھا کہ مجھے آئندہ کی زندگی میں بڑے بڑے کام کرنا ہیں۔ اگر وہ کوفہ میں جناب مسلم کو زندہ پاتے تو وہ یقیناً اُن کی نصرت کرتے مگر جب معلوم ہوا کہ جناب مسلم شہید ہو چکے ہیں تو اُن کے تدبر نے بتلایا کہ وہ امن کے جھنڈے کے نیچے چلے آئیں جسے عمرو بن حریث نے بلند کیا تھا مگر ان کے لیے وہاں بھی امن نہ تھا۔ وہ گرفتار کر لیے گئے اور قید کر دیے گئے اتنے لوگ قید خانوں میں ڈالے گئے تھے کہ جن کے بعد حکومت بنی امیہ اطمینان کی سانس لے سکی کہ اب ہمارا مستقبل محفوظ ہو گیا۔

جب یہ عالم ہو گیا تھا کہ جو ملا اُسے قید خانہ میں ڈال دیا تو اب ہر ایک کو فکر تھی کہ کسی طرح سے اپنے کو حکومت کی گرفت سے محفوظ رکھے۔ چنانچہ جو لوگ گرفتار نہیں ہو سکے اُن میں سے کچھ تہ خانوں میں چھپ گئے۔ کچھ لوگ دیہاتوں میں نکل گئے اور کچھ لوگ جنگلوں کی طرف چلے گئے۔

پھر جب جناب مسلم کی شہادت ہو چکی تو حکومت وقت کی طرف سے یہ انتظام ہوا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو جائے اور کوئی شخص کوفہ سے باہر نہ جاسکے ____ اور نہ کوئی شخص کوفہ کے باہر سے اندر آسکے۔ اس لیے وہ لوگ جو کہ قید خانوں سے باہر تھے اور کوفہ سے نکل جانے میں کامیاب ہوئے تھے اُن کو اطلاعات کا پہنچنا بھی عام طور پر ناممکن ہو گیا۔ اسی طرح کوفہ کے اندر جو لوگ چھپے ہوئے تھے ان کے لیے اس امر سے مطلع ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ امام حسینؑ کوفہ کے قریب آگئے ہیں اس لیے کہ حضرت نے جو دو قاصد بھیجے تھے راستے سے یہ اطلاع دینے کے لیے کہ میں آگیا ہوں۔ عبد اللہ بن یقطر اور قیس بن مسہر وہ دونوں راستے ہی میں گرفتار کر کے قتل کر ڈالے گئے تھے۔

معلوم ہوا کہ شیعیانِ اہل بیت کوفہ میں زیادہ تر قید تھے اور جو موجود بھی تھے وہ بالکل بے خبر تھے۔ جس وقت شہادت امام حسینؑ کے بعد اہل حرم کا قافلہ کوفہ میں پہنچا تو گھروں میں کون لوگ تھے؟

حویلیں اور نیچے سے بھی گھروں سے رونے اور پیٹنے کی آوازیں بلند ہوتی تھیں زیادہ تر وہی تھے جن کے مرد یا تو قید خانوں میں قید ہو چکے تھے یا خائف ہو کر دشمن سے منتشر اور پراگندہ ہو چکے تھے۔ وہ عورتیں روتی تھیں اور نوحہ کرتی تھیں مگر جب وہ واپس آئے اور وہ اُس وقت کہ جب حکومت کی نظر میں اندیشہ باقی نہ رہا۔ اندیشہ اُس وقت تک تھا جب تک امام حسینؑ شہید نہیں ہوئے تھے اور اہلِ حرم کوفہ لائے نہیں گئے تھے۔ اور جس وقت حضرت کی شہادت ہو گئی اور اہلِ حرم کی کوفہ سے روانگی ہو گئی تو پہرے اُٹھا لیے گئے اور پابندیاں کم کر دی گئیں۔ اجتماعات پر جو پابندیاں تھیں وہ بھی واپس لے لی گئیں۔ اب سوائے خاص آدمیوں کے جو حکومت کی نظر میں ابھی تک خطرناک تھے، عام افراد جو وقتی طور پر صرف بدگمانی اور شبہہ پر گرفتار ہوئے تھے اُن میں سے بہت سوں کو چھوڑ بھی دیا گیا۔ اب جو لوگ کہ گوشوں میں چھپے ہوئے تھے، یا دیہاتوں میں اور جنگلوں میں نکل گئے تھے وہ بھی واپس آئے، اب موقع ملا آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کا۔ اب جو ملاقاتیں ہوئیں آپس میں تو ہر ایک کی زبان پر یہ تھا کہ ارے کیا غضب ہو گیا کہ فرزندِ رسول ہم سے اتنا قریب شہید ہو گیا اور ہم مدد کے لیے نہ پہنچ سکے۔ پھر اب کیا کیا جائے۔ طے کیا گیا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس گناہ کے دھبے کو دامن پر سے اپنے خون سے دھوئیں اور جس قدر بھی ممکن ہو اُن کے دشمنوں کو قتل کریں یا خود قتل ہو جائیں۔ یہ اُس وقت ہوا جب کہ حکومت کی گرفت ابھی مضبوط تھی۔ اور یزید ہلاک بھی نہ ہوا تھا۔ سلیمان بن صرد خزاعی کی قیادت میں ایک اجتماع ہوا اور ایسی جماعت کی تشکیل ہوئی جو خونِ ناحق کا بدلا لینے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ اُس کا نام ہوا "جماعت توابین"۔ اسی نام سے تاریخ اس جماعت کو یاد کرتی ہے۔

یہ میں نے بارہا اپنی تقریروں میں کہا ہے کہ شہادت امام حسینؑ نے عوض اس کے کہ جراتوں کو فنا کرے، اور دلوں میں ولولہ پیدا کر دیا اور ہمت پیدا کر دی۔ ورنہ آپ ملاحظہ کیجیے کہ اُس ظالم حکومت کے دار السلطنت میں جس کے ہاتھوں اتنے مظالم ہو چکے ہوں، کون آدمی اتنی ہمت کر سکتا تھا کہ وہ کوئی اجتماع منعقد کرے اور مقررین وہاں حکومتِ وقت کے خلاف تقریریں کریں۔ یہ حقیقت میں وہ ہمت کی روح تھی جو حسینؑ نے پیدا کر دی تھی۔ چار ہزار آدمی تھے جو سلیمان بن صرد خزاعی کے ساتھ اٹھے۔ یہ سلیمان صحابۂ پیغمبر میں سے تھے اور جمل، صفین اور نہروان میں امیر المومنینؑ کے ساتھ جہاد میں شریک رہ چکے تھے اور حضرت کی نصرت کر چکے تھے اُن کی عمر اُس وقت ستر اسی برس کی تھی۔ سب نے طے کیا کہ ہم اِن کو افسر بناتے ہیں۔ اگر یہ شہید ہو جائیں تو سالارِ لشکر مسیب بن نجبہ فزاری ہوں گے۔ وہ شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن وال اور اُن کے بعد رفاعہ بن شداد بجلی۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ ہر تقریر میں اُن مظالم کا تذکرہ جو امام حسینؑ پر ہوئے تھے اور پھر ایک دل شکستہ اور مجروح جگر جماعت کا نالہ و فریاد! ایک وہ جماعت جو امام حسینؑ کو خود بلا چکی اور اس پر نادم ہے کہ افسوس حضرت ہمارے بلانے پر ادھر آئے اور ہم نصرت کو اُن تک نہ پہنچ سکے۔

دیکھیے تو کہ آج تیرہ سو برس کے بعد جب ہمارا دل اس احساس سے بے تاب ہوتا ہے کہ ہم نہ ہوئے تو وہ جماعت جو اُس وقت زندہ تھی اور موجود تھی مگر اسباب کی زنجیروں میں جکڑی رہی اور جو ولولے تھے نصرت کے وہ پورے نہ ہو سکے تو اُن کے غم و اندوہ اور اُس کے مظاہرہ کا کیا عالم ہو گا۔

چنانچہ تاریخ بھی بتلاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک مجمع اور ہر ایک جلسہ جو تدابیر جنگ پر غور کرنے کے لیے منعقد ہوتا تھا وہ ایک انتہائی دردناک مجلس ہوتی تھی جس میں ایک طرف تو عزم جنگ کا اظہار ہوتا تھا اور دوسری طرف حسینؑ کی مصیبت پر گریہ ہوتا تھا اور ہر مقرر اپنی تقریر میں اس غرض سے کہ جن دلوں میں ابھی سچا ولولۂ قربانی نہیں ہے اُن میں ولولۂ قربانی پیدا ہو جائے۔ انصارِ حسینؑ کے کارنامے بہتر سے بہتر الفاظ میں پیش کرتا اور مؤثر سے مؤثر انداز میں اس کا تذکرہ کرتا تھا۔

ان لوگوں نے طے کیا کہ اصلی قاتل امام حسینؑ کا یزید ہے اس لیے ہم کو براہِ راست اُس سے جنگ کرنا چاہیے۔ یہ تو یزید کی سیاست کا بعد کو دعویٰ ہو گیا تھا کہ قاتل میں نہیں ہوں بلکہ ابن زیاد ہے جسے آج تک بعض ہوا خواہانِ بنی امیہ یزید کی صفائی میں پیش کرتے ہیں مگر تاریخ بتلاتی ہے کہ جو سب سے پہلی جماعت خونِ حسینؑ کا بدلہ لینے کے لیے کھڑی ہوئی تھی اُس نے سب سے پہلا ذمہ دار قتلِ حسینؑ کا یزید ہی کو قرار دیا۔

اُنھوں نے طے کیا کہ ہماری تعداد کم سہی مگر ہم پہلے دمشق چل کر یزید ہی کا خاتمہ کریں گے چنانچہ سب متفق ہوئے اور تاریخ مقرر ہو گئی کہ فلاں تاریخ ہم سب لوگ نکل کھڑے ہوں گے مگر طے یہ ہوا کہ ذرا میدانِ جنگ میں جانے سے پہلے چل کر شہدا کے قبور کی زیارت کر لیں۔ ذرا حسینؑ کے سامنے جا کر اپنے ولولۂ قربانی کا اظہار تو کر دیں چنانچہ سب متفق ہوئے کہ چلو زیارت حسینؑ کو۔ سلیمان بن صرد خزاعی اور اُن کے ساتھ پورا گروہ مجاہدین کا۔ چار ہزار آدمی۔ اُس بے آب و گیاہ جنگل میں جہاں ایک دن کوئی دفن کرنے والا بھی نہ تھا آج اتنا بڑا مجمع پروانوں کی طرح قبر پر گرا پڑتا تھا۔ اُس وقت کی بے تابی اور اُس وقت کا عالم! وہ کربلا جہاں پہنچنے کی حسینؑ کی زندگی میں حسرت تھی وہاں آج پہنچ رہے ہیں مگر اب وقت وہی حسینؑ موجود نہیں۔

جوں ہی کربلا کے قریب آئے سب نے اپنے گھوڑوں پر سے

اپنے کو گرا دیا۔ بے تابانہ عمامے سروں سے اتارے ہوئے تلواریں ہاتھوں میں کھینچے ہوئے۔ سب کے سب قبر حسینؑ تک پہنچے۔ ایک رات بھر قبر کے اوپر ایک عالم تھا نالہ و فریاد کا۔ گویا سب کے سب قبر حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر عہد جاں بازی اور پیمانِ وفاداری کر رہے تھے کہ مولا اُس وقت نہ پہنچ سکے تو آج حاضر ہیں۔ اُس وقت نہ تھے تو آج جانیں نثار کرنے کے لیے تیار ہیں۔ چنانچہ امام حسینؑ کی قبر سے رخصت ہو کر یہ سب متوجہ ہوئے شام کی طرف۔ جب وہاں خبر پہنچی تو اُن کے مقابلہ کے لیے فوج بھیجی گئی۔ وسطِ راہ میں عراق و شام کے مابین الوردہ جو مقام ہے اُس میں تصادم ہوا۔ چار ہزار سہی، پھر بھی فوج شام کے سامنے بہت کم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان بن صرد خزاعی شہید ہوئے۔ اُس کے بعد مسیب شہید ہوئے اور پھر عبداللہ بن وال شہید ہو گئے۔ چار ہزار میں سے تین ہزار سات سو آدمی تین دن کے اندر شہید ہو گئے۔ صرف ۳ سو آدمی رہ گئے تھے جن میں کچھ زخمی تھے، پھر جنگ سے بے کار ہو چکے تھے۔ جن کو رفاعہ بن شداد اپنے ساتھ واپس لے گئے۔ اور پھر یہ لوگ مختار کے ساتھ قاتلانِ امام حسینؑ سے بدلا لینے میں شریک ہوئے۔

اس جماعت توابین نے غم سید الشہداءؑ کی جو روح افراد کے دلوں میں پھونک دی وہ فنا ہونے والی نہیں تھی۔ اس جماعت نے اپنے طرز پر عزاداری کی ابتداء کی اور کوئی شک نہیں اس میں کہ یہ چار ہزار کا لشکر جس وقت کہ قبر امام حسینؑ کے اوپر تھا تو دور دور کے لوگ اس سے مطلع ہو رہے تھے اور سب پر شہادت امام حسینؑ اور اُن کے غم کا اثر ہو رہا تھا۔

اُس کے بعد جب مختار نے خونِ حسینؑ کے انتقام کا ارادہ کیا تو اُنھوں نے اپنی جماعت کے ساتھ یہ طے کیا کہ ہم کو شام جانے کی کیا ضرورت ہے۔ مقصد ایک ہی ہے راستا بدلا ہوا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اصل قاتل تو ہمارے گھروں کے پاس ہیں اور اسی شہر میں موجود ہیں۔ ہم کو یہیں رہ کر امام حسینؑ کے قاتلوں کو قتل کرنا چاہیے چنانچہ سب نے متفق ہو کر امام حسینؑ کے قاتلوں کو چن چن کر سزا دینا شروع کی۔ اس کا بھی عجیب انداز تھا۔ ظالم آیا تو دربار مجلس غم بن گیا۔ کیونکہ ہر ایک ظالم کے گرفتار ہو کر آنے پر اُس کے ظلم کا تذکرہ ہوتا تھا اور اُس سے پوچھا جاتا تھا کہ تو نے کربلا میں کیا کیا تھا اور ہر ایک ظالم خود اپنے مظالم کا تذکرہ کرتا تھا۔ اب آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ ایک ایسے اجتماع میں جہاں محبانِ اہلبیت جمع ہوں خود قاتل مظالم کا تذکرہ کر رہا ہو تو کیا صبر و سکوت قائم رہ سکتا ہے۔ آج اُن واقعات کا جو راویوں کے ذریعہ سے پہنچے ہیں تذکرہ ہمارے لیے سبب بے تابی ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ بذاتِ خود مظالم کا ارتکاب کرنے والا اُن واقعات کا تذکرہ کر رہا ہو۔ تو اس

کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ ہر ایک دربار ایک مجلس ہوتا تھا۔

اس کے علاوہ دور دراز کے مقامات پر جو شہید کیے گئے تھے جیسے سلیمان بن صرد خزاعی یا مسیب یا عبداللہ بن وال۔ اُن کے واقعات ممکن ہے شہرت کے درجہ تک نہ پہنچے ہوں کیونکہ وہ ایک مظلومانہ شان سے شہادت پا گئے مگر اب تو مختار کا دور ایسا نہ تھا کہ جس کا تذکرہ دور و دراز کے مقامات تک نہ پہنچا ہو کیونکہ انھوں نے وقتی طور پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ صرف کوفہ ہی میں نہیں بلکہ اطراف کوفہ میں دور دور کے مقامات پر اُنھوں نے تسلط حاصل کر لیا تھا اور اپنے عمال ہر جگہ مقرر کر دیے تھے۔ ان صورتوں میں یہ ناممکن تھا کہ اس کی اطلاع ایک محدود حلقہ میں رہے۔ خصوصاً جب کہ ایسے لوگ جن کو اہل بیت کے ساتھ کچھ بھی ہمدردی ہو سکتی تھی سب واقعات معلوم کرنے کے لیے بہت مضطرب تھے اور جو امام حسینؑ کے پس ماندگان تھے اُنھیں سب سے زیادہ واقعات کے معلوم کرنے کا اشتیاق رہتا تھا کہ آج مختار نے کیا کیا اور آج کیا کیا۔ خود امام زین العابدینؑ جو آتا تھا کوفہ سے اُس سے پوچھتے تھے کہ کہو مختار کیا کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت یہ ہے۔ کہ ایک شخص آیا اور حضرت سے واقعات مختار کے بیان کرنا شروع کیے۔ حضرت نے دریافت کیا کہ کہو حرملہ قاتل جناب علی اصغر بھی گرفتار ہوا۔ اُس نے بیان کیا کہ جب تک میں کوفہ سے چلا ہوں اُس وقت تک تو وہ گرفتار نہیں ہوا تھا۔ حضرت نے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں کہا اللھمّ اذقہ حرّ النّار "خداوندا اُس کو آگ کا مزہ چکھا دے" ظاہر ہے کہ جب قبل گرفتاری و قتل حرملہ کے انجام کے متعلق حضرت کو جستجو تھی تو جب وہ گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا تو امام نے اس خبر کو سن کر اپنے تاثرات کس طرح ظاہر نہ فرمائے ہوں گے حقیقت میں مختار کے اس دورِ زندگی کا ہر لمحہ امام حسینؑ کی یاد کو نہ صرف کوفہ میں بلکہ دور دراز کے مقامات پر پہنچانے میں صرف ہوا۔

اس کے بعد امام حسینؑ کا تذکرہ اور اُن کا غم اتنا مؤثر حربہ سمجھ لیا گیا کہ جو حقیقی ہمدرد اہلبیت کے نہ تھے اور اُن کو حکومت بنی امیہ سے مقابلہ کرنا ہوا تو وہ بھی اسی حربہ کو لے کر سامنے آئے چنانچہ بنی عباس کی سلطنت کی داغ بیل اسی بنیاد پر پڑی۔ ان کو اہلبیت رسول کے ساتھ اصلی معنوں میں ہمدردی کبھی بھی نہیں تھی مگر کون مسلمانوں کو کھڑا کر سکتا تھا اولادِ عباس کے نام سے۔ صرف آلِ محمدؐ کے نام پر مسلمان کھڑے کیے گئے۔ اور غم حسینؑ کو اپنا لباس بنایا گیا۔ سیاہ پوشی مستقل طور پر اپنے قومی لباس کی صورت سے اختیار کی گئی غم حسینؑ کے اعلان کے طور پر فوج کے تمام جھنڈے سیاہ رکھے گئے۔ سب سے پہلے جو جھنڈا بلند کیا گیا وہ عاشور کے دن دسویں محرم کو ایران میں۔ یہ اور بات ہے کہ ائمہ معصومین جانتے تھے کہ ان کا مقصد

ہمدردی میں کس طرح تقاضائیت شریک ہے۔

یقیناً اگر کوئی جذبات کی رَو میں بہنے والا انسان ہوتا تو وہ ان افراد کے فریب کا شکار ہو جاتا مگر وہ ایسے معصومینؑ تھے کہ جو ہر ایک چیز سے اچھی طرح واقف تھے اس لیئے وہ ان ظاہری ہمدردیوں کے دھوکے میں نہیں آئے اور اُنھوں نے اپنے ساتھ والوں کو اس جماعت میں داخل ہونے سے روکا یہاں تک کہ سیاہ لباس کی مذمت میں حدیثیں وارد ہوگئیں اور علویین میں جس کسی نے کبھی سیاہ لباس پہنا تو اُس کے اوپر ایک بڑا الزام عائد ہوگیا۔ تاریخ اُس کا ایک جرم بتا کر لکھتی ہے کہ وہ پہلا شخص تھا علویین میں سے جس نے سیاہ کپڑے پہنے۔ اور حکم شرعی میں آپ کو معلوم ہے کہ سوائے عمامہ، موزہ اور عبا کے تمام قسم کے سیاہ لباس کو شرع نے مکروہ قرار دے دیا ہے۔

اس طرح سے لوگوں کو اُن کا ساتھ دینے سے روکا۔ پھر بھی دشمن کے ہاتھوں اہل بیت کا یہ مقصد تو پورا ہو گیا کہ حسینؑ کی یاد دنیا میں پھیلتی جائے۔ امام حسینؑ سے ہمدردی اور اُن کے قاتلوں سے نفرت۔ یہ چیز ہر ایک کے دل میں راسخ ہوگئی۔

ابوالعباس سفاح جو سب سے پہلا خلیفہ بنی عباس کا تھا، اُس نے بنی امیہ پر جو کچھ سختیاں ہو سکتی تھیں کیں اور سند جواز یہی قرار دی کہ امام حسینؑ پر جو مظالم ہوئے اُن کا ہم بدلا لے رہے ہیں اس اعلان میں کوئی حقانیت نہیں تھی مگر نتیجہ تو اس سے وہی پیدا ہوا کہ بنی امیہ سے نفرت پیدا ہوئی اور آل رسولؐ سے دنیا کو ہمدردی پیدا ہوگئی۔

یہ اور بات ہے کہ بنی عباس کا یہ رویہ چونکہ سیاسی مصالح پر مبنی تھا اس لیے وہ وقتی ثابت ہوا اور سیاست کے بدلنے کے ساتھ ان کوششوں کا رنگ بھی بدل گیا۔ اُنھوں نے آل محمدؐ کے نام پر دنیا کو ہم خیال بنایا مگر ایک وقت وہ آیا کہ اُنھی کے ہاتھوں آل محمدؐ چن چن کر قید ہوئے بلکہ قصر حکومت کی دیواروں میں اولاد رسولؐ کے خون کا گارا لگایا گیا جو بنی امیہ نے بھی نہیں کیا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حسینؑ مظلوم کی قبر کو بھی کھودنے کی کوششیں ہوئیں۔

اسی بناء پر ایک شاعر نے کہا:۔

تاللہ ان کانت امیۃ قد اتت　　قتل ابن بنت نبیھا مظلوما
فلقد اتاہ بنوا ابیہ بمثلہ　　ھذا لعمرک قبرہ مھدوما

(یعنی) بنی امیہ نے اگر اپنے نبی کے نواسے کو ظلم و ستم کے ساتھ قتل کیا تو یہ بنی عباس جو اُن کے ساتھ خاندانی قرابت کے بھی مدعی ہیں انھوں نے اُن کی قبر کو بھی برقرار نہ رہنے دیا بلکہ اُس کی عمارت کو منہدم کر دیا۔

خیر یہ تبدیلی اُن کی سیاست میں اُن کی بدنیتی کو دیکھتے ہوئے ہونا چاہیے تھی ہو ہوئی مگر اُن کی اس پہلی سیاست کے نتیجہ میں جن دلوں پر آل محمدؐ کا اثر قائم ہو گیا تھا وہ تو دائمی طور پر باقی رہا اور نتیجہ میں وہی اثر خود بنی عباس کے خلاف بھی اُن کی دوسری سیاست کے موقع پر کارگر ثابت ہوا جس کو حکومت بنی عباس فنا کر کے اور جب پھر ہو جاتی تو کسی دوسری طاقت فنا کرنے میں کامیاب ہوئی۔

جو انصار امام حسینؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اُن کے قوم و قبیلہ کا تنوع و اختلاف بھی واقعہ کربلا کے ہمہ گیر اثر پھیلانے کا بہت بڑا سبب بنا۔ یعنی امام حسینؑ کے ساتھ اگر صرف بنی ہاشم ہوتے تو اعتقادی طور پر اس کا اثر بہت اہم ہو سکتا تھا مگر مادی اسباب کی بناء پر اس کا تعلق ہر قوم، قبیلہ اور جماعت سے پیدا نہ ہوتا مگر انصار حسینؑ کی فہرست پر نظر جو ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ قبائل عرب کے جو ممتاز افراد ہو سکتے تھے تقریباً سب وہ حضرت کی نصرت میں مصروف جہاد تھے یعنی ظاہر میں تو مخالف جماعت کے تیس ہزار افراد تھے مگر وہ بیس ہزار عوام اور جاہل عرب تھے جن کا کوئی وزن نہ تھا اور یہ بہتر آدمی تھے لیکن ہر ایک اُن میں سے اپنے قوم و قبیلہ کا دل اور دماغ سمجھا جا سکتا تھا۔ امام حسینؑ نے عوام کو اپنے ساتھ نہیں لیا تھا بلکہ جو حضرت کی نصرت کو آئے تھے وہ وقیع درجہ رکھتے تھے اُن میں سے بہت سے عابد شب زندہ دار، بہت سے حافظ قرآن اور بہت سے راویانِ احادیث تھے۔ یہ امام حسینؑ کی نصرت سے پہلے بھی اپنی اپنی جماعت میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک مستقل شخصیت کا حامل تھا جس کا فوج دشمن پر اُس وقت بھی اثر پڑ رہا تھا اور بعد میں بھی جو سنتا تھا اُس پر اثر پڑتا تھا۔

اس کے علاوہ چونکہ تقریباً ہر ایک قبیلہ کے ایک یا کئی ممتاز افراد حضرت سید الشہداءؑ کے ساتھ تھے مثلاً قبیلۂ اسد کے کئی آدمی قبیلۂ ہمدان کے متعدد افراد قبیلۂ خزاعہ، قبیلہ سعد اور اسی طرح قبیلۂ بجیلہ، قبیلۂ خثعم قبیلۂ تغلب، قبیلۂ جعف وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو میں نے سرسری طور پر چند قبیلوں کا نام لے دیا ہے۔ اصحاب حسینؑ کے موضوع پر جو تقریر میں نے آج سے تین برس قبل ریڈیو پر کی تھی۔ اُس میں میں نے پوری فہرست بیان کی تھی کہ کس کس قبیلہ کے کون کون لوگ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ اب ذرا اس خصوصیت کو جانے دیجیے۔ اگر صرف حمیت عرب اور اُس قبیلہ پروری کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ جو عرب کی فطرت تھی جن کا اُصول یہ تھا کہ اپنے قبیلہ والے کی حمایت کرو خواہ وہ حق پر ہو یا ناحق پر۔ تو جب ایسے ایسے ممتاز افراد ہر قبیلہ کے سید الشہداءؑ کے ساتھ تھے اور اُن کی شہادت ابن زیاد کی فوج کے ہاتھ سے ہوئی تو ہر ایک قبیلہ میں اُس کے اثرات پہنچنا لازمی تھے اور کم از کم ہر قبیلہ اور ہر جگہ کے لوگ یہ دریافت کرنے پر مجبور تھے کہ اپنے ایسے اتقیائے روزگار اور عابدان شب زندہ دار کس وجہ سے قتل کیے گئے۔ اس طرح تمام قبائل عرب میں واقعۂ کربلا کے اسباب اور حالات کا تذکرہ ہونا لازمی بات تھی۔

پھر وہ تحریک کا ذکر میں نے کیا تھا کہ وہی اہلبیت کے دشمنت

شہید ہو گئے تھے لیکن دوسرے مقامات پر بہت سے لوگ ایسے تھے جو سمجھتے تھے کہ ابھی وقت نصرت کا بعد ہے اور ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ دسویں محرم ۶۱ھ تاریخ ہو گی جبکہ ہماری امداد ضروری ہے۔ ان کو یہ خبریں پہنچی تھیں کہ امام حسینؑ نے بیعت نہیں کی ہے تو وہ دل میں یہ ارادہ کیے ہوئے تھے کہ جب حضرت علم جہاد بلند کریں گے تب ہم امام کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں گے اور ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے مگر کربلا میں امام حسینؑ کا پہنچنا اور پھر روز عاشور جنگ کا قطعی ہو جانا بالکل ہنگامی امر تھا۔

نویں محرم کی سہ پہر تک خود عمر سعد کو نہیں معلوم تھا کہ حقیقتاً لڑائی ہوگی اس نے اس وقت تک صلح کی گفتگو کی تھی۔ یہ تو نویں کی سہ پہر ہی کو خط آیا جس میں لکھا تھا کہ تم کو اس لیے نہیں بھیجا گیا ہے کہ تم حسین سے صلح کی گفتگو میں کر دیا نجات کی امیدیں دلاؤ۔ تم کو تو بس قطعی سوال پیش کرنا ہے کہ یا تو وہ اطاعت کریں یا پھر ان سے جنگ کی جائے۔ یہ خط تھا جس کے بعد اس نے امام حسینؑ سے گفتگو بیکار سمجھی اور حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ خود امام کو تعجب ہوا کہ یہ بے وقت حملہ کیسا۔ کہاں تو ابھی صلح کی گفتگو ہو رہی تھی اور کہاں اس کے بعد ہی اعلان جنگ کیے بغیر ایک دم حملہ! اور اسی بنا پر حضرت نے اپنے بھائی جناب عباس کو بھیجا کہ آخر اس حملہ کا کیا سبب ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ خط آیا ہے اور یوں حکم دیا گیا ہے اس لیے حملہ کیا گیا۔

حُر کو جو فوج عمر سعد کا ایک ذمہ دار افسر تھا صبح عاشور تک یہ نہیں معلوم تھا کہ واقعی جنگ ہوگی۔ چنانچہ اس نے دسویں تاریخ صبح کو سالار فوج عمر سعد سے جو گفتگو کی وہ یہی تھی کہ اس نے پوچھا کیا تم واقعی ان سے جنگ کروگے؟ اس نے کہا۔ ہاں ایسی جنگ کہ سر قلم ہو رہے ہوں اور ہاتھ کٹ کٹ کر زمین پر گرتے ہوں۔ حُر نے کہا یہ اتنی شرطیں جو حسینؑ نے پیش کیں کیا ان میں سے کوئی منظوری کے قابل نہیں تھا؟ اس نے کہا میں کیا کروں۔ تمہارا حاکم نہیں مانتا یعنی ابن زیاد قبول نہیں کرتا۔

معلوم ہوا کہ کربلا کی جنگ جس موقع پر ہوئی، کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ تاریخ جنگ کیا ہوگی، موقع جنگ کیسا ہوگا اور صورت جنگ کیا ہوگی۔ اس غیر معین طریقہ پر جنگ ہوئی۔ اس صورت میں جتنے پہنچ گئے نصرت حسینؑ کے لیے ان کی خوش نصیبی تھی اور طاقت عمل۔ اور جو نہ پہنچے ان میں سے کچھ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ طاقت عمل کی کمزوری تھی، کچھ کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ قوت ارادی کا ضعف تھا اور بہت سوں کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ صرف بدنصیبی تھی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عام اسباب کی بنا پر ان حالات میں اگر صرف دس بیس مددگار بھی پہنچ جاتے امام حسینؑ کے پاس تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہ تھی۔ برخلاف اس کے جتنے افراد امام حسینؑ کے پاس ان ہنگامی حالات میں پہنچ گئے وہ سو سے زیادہ تھے اور وہ ویسے تھے کہ جیسے حسینؑ چاہتے تھے تو اگر موقع ملتا اور راستا کھلا ہوتا اطلاع ہوتی سب کو اور پہنچنے کی صورتیں پیدا ہو جاتیں تو کتنے لوگ پہنچ جاتے اب وہ تمام لوگ جو نہ پہنچ سکے ان کے دل پر نہ پہنچنے کا یقینی ایک داغ ہو گیا اور چونکہ بنی امیہ سے نفرت ان کے دل میں بھی اتنی ہی تھی جتنی انصار الشہداء کے دل میں ہو سکتی تھی اس لیے ان کا اس کے بعد مظالم بنی امیہ کے اظہار میں مصروف ہو جانا ایک فطری امر تھا۔

جو پہنچ گئے اور اپنی جانیں دے دیں وہ تو حقیقتاً خوش دل گئے غم تو ان کو رہا جو نہیں پہنچے۔ غم تو ان ہی کو ہے جو نصرت نہ کر سکے۔

اگر ہوتے اور نصرت کرتے تو جیسے مسلم بن عوسجہ ہنستے ہوئے دنیا سے گئے ہم بھی ہنستے ہی رہتے رونا کاہے کا ہوتا۔ رونے کی ضرورت اس بنا پر پیدا ہوئی کہ اس دن موجود نہ تھے۔ بلکہ اسی کا رونا ہمارے ائمہ کو رہا اور اسی کا رونا تمام محبت رکھنے والوں کو رہا۔

بہرحال جتنے لوگ اس وقت موجود تھے، کہیں بھی ہوں۔ بصرہ میں ہوں یا کوفہ میں ہوں یا یمن میں ہوں یا ایران میں کسی جگہ بھی عالم اسلامی میں وہ لوگ موجود ہوں، جن کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر ہم کو اطلاع ہو جاتی اور ہم پہنچتے تو اپنا خون بہاتے، انھیں اب جو واقعات کی اطلاع پہنچی تو وہ آنسو بہانے لگے اور اس طرح جتنے ممالک اسلامیہ تھے سب میں ایک عام اثر غم و اندوہ کا پیدا ہو گیا۔

روایتیں دونوں فریق کے یہاں موجود ہیں۔ ہمارے یہاں بھی اور اہلسنت کے یہاں بھی کہ بعد شہادت حسینؑ سورج کو گہن لگا۔ دنیا میں تاریکی چھا گئی۔ آسمان سے خون برسا اور تین دن تک برستا رہا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ چالیس دن تک خون برسا۔

ہم تو بہرحال اس کو یقین کرنے پر مجبور ہیں اور اس کے متعلق روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ماننا پڑے گا لیکن وہ غیر مسلم لوگ جو روایات کی بنا پر اس واقعہ کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں ہیں انھیں اس سے ایک اندازہ تو ضرور ہو سکتا ہے کہ ہر ایک مذہب میں جو اس مذہب کا سب سے بڑا انسان تھا۔ اس کے حادثہ رحلت پر اس طرح سے روایات پائے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کے یہاں حضرت عیسیٰ کی وفات کے موقع پر بائبل میں یہی ہے کہ تین دن تک عالم میں سیاہی چھائی رہی۔ اسی طرح ہر ایک مذہب میں جو اس مذہب کا سب سے بڑا انسان تھا اس کی موت کے موقع پر جو ان کے نزدیک سب سے بڑی مصیبت تھی اس طرح کے روایات پائے جاتے ہیں۔

مسلمان بحیثیت اعتقاد سب سے زیادہ بزرگ پیغمبر اسلام کی ہستی کو مانتے ہیں لیکن پیغمبرؐ کی وفات میں مسلمانوں کے کسی فریق کے یہاں اس طرح کی چیزیں نہیں وارد ہیں جیسی امام حسینؑ کی شہادت میں وارد ہیں۔ اس سے ہر ایک مذہب و ملت کے انسان کو یہ اندازہ لگانا پڑے گا کہ بحیثیت مصیبت مسلمانوں کے نزدیک حضرت امام حسینؑ کی شہادت تمام مصائب میں سب سے زیادہ عظیم تھی اور اس شہادت کا اثر اتنا ہمہ گیر صورت سے مسلمانوں پر ہوا جیسا کسی حادثہ کا اثر اسلامی تاریخ میں نہیں پیدا ہوا۔

ان انقلابات اور عالم کائنات کے اس تاثر کا جو حادثہ کربلا پر پیدا ہوا۔ یا کم از کم ان روایات کی شہرت کا عام اثر کیا ہو سکتا تھا؟ یہی کہ ہر انسان یہ محسوس کرے کہ جس پر آسمان رو دیا کیا ہم اس پر گریہ نہ کریں؟ جس پر آسمان نے خون بہایا کیا ہم اس پر آنسو بھی نہ بہائیں؟

اس سے یہ خوب اندازہ ہو سکتا ہے کہ تمام عالم اسلامی پر امام حسینؑ کی شہادت پر کیا اثر ہوا۔ وہ اثر ہرگز خوشی کی صورت میں تو نہیں تھا۔ یہ تو ایک

حقیقت بات جو اب بتائی گئی ہو کہ چونکہ امام حسین کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوا اس لیے اس پر خوشی کرو۔ مگر جو فطری اثر بروقت وقوع واقعہ تو غم ہی کا تھا مگر خوشی کی حکایتیں اب تصنیف کرلی جائیں تو اور بات ہو مگر جہاں تک فطرت خود مصروف عمل رہی، انتہائی مصیبت کا احساس ہی تھا جو چھایا رہا۔

کلکتہ کا محرم

(ایک مشاہد کے قلم سے)

یہاں کے شیعہ اور سنی اسلام کے یہ دونوں فرقے بفضلہ تعزیہ داری میں قریب قریب برابر کا حصہ لیتے ہیں اور اہل سنت کی عزاداری سے دلچسپی اور انہماک کا درجہ اہل تشیع سے کسی طرح پیچھے نہیں ہے عاشور کے دن کا پہلا ابتدائی نصف حصہ شیعوں کے جلوس کے لیے اور باقی نصف سنیوں کے جلوس کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے مقرر اور متعین ہے حضرات اہل سنت کی کثرت تعزیہ داری کرتی ہے اور پورے انہماک کے ساتھ اس میں شریک ہوتی ہے۔ مختلف محلوں اور شہر کے مختلف حصوں میں اہل سنت حضرات عزاداری کے جلوس اٹھاتے ہیں جن کے ساتھ بہ کثرت سبیلیں ہوتی ہیں اور قریب قریب تعزیہ کے ہر جلوس کے ساتھ حضرت عباس کا علم ہوتا ہے جس کا پنکھا خصوصیت کے ساتھ بے حد کشادہ اور بڑا ہوتا ہے۔

یہاں محرم کی عزاداری کی پہلی خصوصیت جلوسوں کی ترتیب اور تسلسل ہے اور طوالت ہے۔ بعض جلوس ایک میل بلکہ اس سے بھی زیادہ طولانی ہوتے ہیں اور سڑک کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک چوڑائی میں اور لمبائی میں پھیلے ہوتے ہیں۔ لیکن ادھر اس طولانی جلوس کا ابتدائی حصہ سڑک کے ابتدائی حصہ پر آیا کہ تمام سڑک کا ٹریفک بالکل بند کر دیا گیا اور جب تک جلوس کا کوئی حصہ یا جز سڑک کے کسی حصہ پر بھی باقی رہے ٹریفک بند رہتا ہے۔

پھر جلوس کے ایک سڑک کو عبور کرنے یا ایک سڑک پر سے گزرنے میں خواہ دو گھنٹے صرف ہوں خواہ تین گھنٹے مگر ہر طرح کا ٹریفک مثلاً سائیکل، رکشے، موٹر لاریاں، ٹرک، سرکاری اور پرائیوٹ موٹر اور ٹریم ہر بالکل بند رہتا ہے۔

کلکتہ ہندوستان کا پہلا شہر ہے جہاں کہ ٹریفک کی موجودہ کثرت اور اہمیت کا اندازہ بہ ذریعہ الفاظ کرانا بہت دشوار ہے۔ شہر کے کسی چوراہے یا دوراہے پر اگر دو چار منٹ کے لیے بہ ضرورت اور بہ مجبوری یہ ٹریفک روکا جاتا ہے تو موٹروں، موٹر لاریوں، ٹریم کا سڑک پر ایک بڑا ہجوم ہو جاتا ہے جس میں کسی انسان کا گزرنا محال اور انتہائی خطرناک ہے تو پھر عزاداری کے سلسلے میں ٹریفک کا بالکل اور مسلسل کئی کئی گھنٹوں کے لیے روک دیا جانا کیا اثر اور کیفیت اور حالت پیدا کرتا ہوگا بالکل آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ظاہر بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت وقت قدیم الایام اور عرصۂ دراز سے عزاداری کو اتنا اہم اور ضروری سمجھتی ہے کہ تمام سے اہم سڑکوں کا ٹریفک گھنٹوں کے لیے اور مسلسل اور ہر طرح کا کاروبار، آمد و رفت بالکل بند کر دی جاتی ہے۔ بعض افراد کا خیال اس خاص صورت حال کے متعلق یہ ہے کہ نواب واجد علی شاہ صاحب تاجدار اودھ اگرچہ یہاں معزولی کی حالت میں نظربند تھے لیکن اپنے دور نظربندی میں بھی وہ عزاداری کرتے تھے چنانچہ مٹیا برج سے اب بھی شہر کو چند تابوتوں میں وہ شاہی جلوس (یا اس شاہی جلوس کی یادگار) آتا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان کے وقت سے خصوصیت کے ساتھ ان کے خصوصی لحاظ کی بنا پر اس مستحسن طریقہ کار کی ابتدا ہوئی۔ اور جو اب بھی بفضلہ قائم اور برقرار ہے۔ اس اعزاز خصوصی کے ذیل میں ایک بات یہ اور قابل تذکرہ ہے کہ جلوس کے تحفظ کے لیے متعین اور مقرر پولیس اور فوج کے سپاہی اور افسر جلوس کے حدود کے اندر نہیں داخل ہوتے اور آرمرڈ کار (Armoured Car) اور مشین گن (Machine Gun) مشین گنیں بھی جلوس کے آگے یا پیچھے رکھی جاتی ہیں اور ان کا کوئی افسر اعلیٰ جلوس کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔

مراسم عزاداری کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ یہاں کے شیعہ افراد بالعموم اور پورہ جماعت بالخصوص عروسی حضرت قاسم کی قائل معلوم ہوتی ہے اور اس ذیل میں سب سے اہم اور عجیب بات یہ ہے کہ محرم کی اور تمام تاریخوں سے قطع نظر کر کے یہ لوگ محض ساتویں محرم کو منتیں مانتے ہیں اور حاصل شدہ منتوں کو اسی روز اور محض اسی روز بڑھاتے ہیں۔ عروسی قاسم کے سلسلہ میں اول تو مہندی وغیرہ کا جلوس بے حد نفیس اور عمدہ ہوتا ہے جس کو وہاں کے خواص خود اپنے سروں پر اٹھاتے ہیں اور امام باڑے کے اندر جو گشت کرتا ہے اور اس سامان کو اٹھانے والے دولہا دولہا کہے جاتے ہیں۔

عشرۂ محرم میں سرکار سید العلماء مدظلہ کے بیانات

۴ محرم تک ٹھیک ۸ بجے شب حسینیہ میر سید محمد رضا متصل کوتوالی چوک

۵ محرم	۸ بجے شب	اناؤ
۷ محرم	۹ بجے صبح	شمس آباد ضلع فرخ آباد
۸، ۹ محرم	۹ بجے شب	کوٹھی پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی دین منزل
۱۰ محرم	۹ بج کر ۱۵ منٹ	دین پناہ استشہاد حسین کے موضوع پر آل انڈیا ریڈیو

اسٹیشن لکھنؤ سے تقریر ہوگی۔

مآلِ غم

ایک مرثیہ کے چند بند

از جناب سید محمد حسن صاحب حسن طباطبائی ایم اے لکچرار اسلامیہ کالج لکھنؤ۔

غمیاتِ بشری میں ہے نہاں اک عالم — شاملِ فطرتِ انساں ہیں سرور و الم
اعتدال ان کے توازن کا جو ہو مستحکم — ڈگمگائیں نہ کبھی جادۂ ہستی میں قدم

معرفت نفس کی اپنے جسے حاصل ہو جائے
غیر ممکن ہے کہ خالق سے وہ غافل ہو جائے

گلشنِ زیست میں جب عیش کی آتی ہے بہار — یادِ اللہ کی اس دور میں گو ہے دشوار
فہم و ادراک گمرہ نہیں جاتے بےکار — جلوۂ قدرتِ خالق ہے جمالِ رخِ یار

حسن کی شمع کے ظاہر میں جو پروانے ہیں
وہ کسی شاہدِ یکتا کے بھی دیوانے ہیں

دل وہی دل ہے کہ ہو جس میں مکمل احساس — ہو مسرت سے نہ وحشت نہ الم سے ہو ہراس
رہبرِ عقل کو انساں اگر رکھے پاس — کوئی عالم ہو قریب آ نہیں سکتے وسواس

شیشۂ دل کو مسرت بھی جلا دیتی ہے
بے حسی غم میں جو ہو حق کو بھلا دیتی ہے

بے خبر ہے جو کہے گریہ کو جرأت کے خلاف — یہ مسلّم ہے کہ ہوگا یہ حقیقت کے خلاف
غم کبھی ہوگا نہ انساں کی فطرت کے خلاف — بعض اوقات یہ ہوتا نہیں غفلت کے خلاف

شدتِ غم سے شجاعت کبھی کم ہوتی ہے
ہمت افزا کبھی افراطِ الم ہوتی ہے

غم کی دولت ہی نہیں توشۂ اربابِ ہمم — عزم و ہمت بھی ہو ہمراہ تو بڑھتا ہے حشم
انتزاماً ازنہ ہو دل پہ اگر جوششِ الم — خود نمائی کے سوا کچھ نہیں شوقِ ماتم

رمزِ ایثار و شہادت سے جو بیگانہ ہے
گریہ اس کا کوئی بھولا ہوا افسانہ ہے

اہلِ ہمت کو نہیں شورشِ طوفاں کا خطر — قعرِ دریا کے اندھیرے میں درخشاں ہیں گہر
جب شکستہ ہو تو ہو جاتا ہے ارزاں پتھر — قطع کرنے سے دمک اٹھتا ہے ہیرے کا جگر

غم کا احساس ہی انسان کو جدا ہوتا ہے
جاگ اٹھتا ہے کوئی اور کوئی سوتا ہے۔

ہمت افزا ہے ہمارے لیے نامِ شبیرؑ — کاش پیدا ہو دلوں میں بھی وہ جوشِ تدبیر
اس کے کردار کی دنیا کو دکھا دیں تصویر — فوجِ باطل کے لیے تھا جو مجسم شمشیر

سبق آموز اگر نوحہ و ماتم ہو جائے گا
سعیِ اخلاص سے تسخیر یہ عالم ہو جائے

طبعِ انساں کا تقاضا تو ہے اظہارِ الم — قابلِ فخر ہے گر جوششِ عمل بھی ہو بہم
زندگی بخش ہے کردارِ شہیدانِ ستم — ہم کو لازم ہے کریں ان کا ہم ایسا ماتم

ظلم کو صبر کی تاثیر کا اندازہ ہو
دہر میں اسوۂ شاہ و شہدا تازہ ہو

ہے غمِ سبطِ نبیؐ حق کی حفاظت کے لیے — دینِ اسلام کی بے لوث حمایت کے لیے
کون کہتا ہے کہ ہے صرف شفاعت کے لیے — اک وسیلہ ہے کمالِ بشریت کے لیے

کم سواروں کو فقط ارثِ اب و جد ہے یہ غم
عین مقصد نہیں خضرِ رہِ مقصد ہے یہ غم

شدتِ غم میں بھی ہو پیشِ نظر خودداری — [illegible]
سوگواروں پہ رہے کاش یہ جذبہ طاری — [illegible] رضائے باری

روئیں یوں اکبر و عباس کو رونے والے
خود بنیں ظلم کی کشتی کو ڈبونے والے

کاش ہر دیدۂ گریاں ہو بصیرت پرور — کاش ہر اشک میں ہوں حسنِ عمل کے جوہر
آنسوؤں سے ہو عیاں رفعتِ کردارِ بشر — کوئی ہنسنے کی نہ جرأت کرے اس رونے پر

اس طرح روئیں کہ پندارِ شجاعت ہو عیاں
عزمِ شبیرؑ کی دنیا پہ حقیقت ہو عیاں

انقلاب اور محرم تک محصول ڈاک معاف

جناب نجیر لکھنوی کا وہ معرکہ آرا مسدس موسوم بہ "معراج سخن" جس نے دنیائے شاعری میں انقلاب پیدا کر دیا ہے چھپ کر تیار ہو گیا ہے اس مسدس میں فلسفہ، توحید، نعتیہ مضامین، تذکرہ میلاد و معراج، منقبت، مصائب بالکل انوکھے انداز سے نظم ہیں۔ سلام بھی ہے۔ باعیات بھی ہیں، علاوہ حصۂ نظم کے مصنف کی تقدیر، سوانح عمری اور جناب غضنفر لکھنوی، حضرت اثر لکھنوی، علامہ کامون پوری کے مضامین نثر نے کتاب کی رونق کو دوبالا کر دیا ہے۔ یہ مجموعہ بزم ادب کی زینت، محافل میلاد کا گلدستہ اور مجلس عزا کی شمع ہے۔ ہندوستان کے مشہور اخبار و رسائل اور بڑے بڑے ادیب اس کتاب پر ریویو شایع کر چکے ہیں، کاغذ سفید، کتابت دلفریب طباعت دیدہ زیب۔ قیمت عہر اور محصول ڈاک محرم تک معاف

المشتہر

ممتاز بک ایجنسی۔ نخاس لکھنؤ

کمونی

مولانا قرشی کا خاص ایجاد جو جملہ امراض شکم مثلاً درد شکم، بیض، بادگولہ، سنگرہنی، جریان، بھوک کی کمی یا جو معدے کے بگاڑ سے ہو۔ ہیضہ، تخمہ بلکہ معدہ اور جگر کے بگاڑ سے پیدا ہونے والی تمام بیماریوں کے لیے اکسیر ہے۔ ایک شیشی کا بکس قیمت ۲ر دو شیشی کا بکس قیمت ۳ر۔

المشتہر

کمونی فیکٹری مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ

مقوی دماغ

مقوی بادام خاص

ہر موسم میں اس کا استعمال سینہ و پھیپھڑے کی کمزوریوں کو دور کرتا ہے۔ درد سر، چکر، دماغی تھکاوٹ، نزلہ، زکام، خشک کھانسی کو فنا کر کے دماغ میں تر و تازگی و تراوٹ پیدا کرتا ہے دماغی کام کرنے والوں کے لیے انمول تحفہ ہے۔ آدھ پاؤ کی شیشی قیمت عہر۔ نیز معجون نمبر ۸۷، قیمت ۱۲ خوراک ۱۲؁ اور طلاء اسود قیمت فی شیشی ہے۔ خارجی و داخلی مکمل علاج اور معجون نمبر ۸۰۷ قیمت ۱۲ خوراک ۱۲؁ مادۂ رقیق کی عکسی اصلاح کرتی ہے

المشتہر

منیجر دواخانہ یونانی معین حیات نظیر آباد لکھنؤ